حیات سیدنا یزید رحمہ اللہ

آغاز خلافت: ۲۲ر رجب ۶۰ھ تاریخ وفات: ۱۴ر ربیع الاول ۶۴ھ



اعداد و تعارف

محمد فہد حارث

مؤلف

ابوالحسین عظیم الدین صدیقی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

حارث پبلی کیشنز



فہرست مضامین

پیشِ گفتار

اس وقت آپ احباب کے ہاتھ میں جو کتاب ہے وہ ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی مرحوم کی تصنیف ''حیاتِ سیدنا یزید'' کا جدید ایڈیشن ہے۔ یہ کتاب عرصۂ دراز سے ناپید تھی۔ گرچہ کتاب کافی علمی ہے جس پر مجتہد العصر مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری کا تعارف اور اہلحدیث عالم حکیم فیض عالم صدیقی شہید کے تائیدی تبصرے موجود ہیں لیکن موضوع کی حساسیت اور مؤلف کے چند تسامحات کی پاداش میں منفی پروپیگنڈے نے کتاب کو ایک مدت تک علمی دنیا سے اوجھل رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ مؤلف مذکور کے تسامحات کچھ اس قدر شنیع اور لائقِ طعن نہ تھے جس قدر ان کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کیا گیا۔ ابوالحسین عظیم الدین صدیقی مرحوم کی تقریباً ہر کتاب پڑھنے کا اس احقر کو موقع میسر آیا ہے جن میں سے ''حیاتِ سیدنا یزید'' اور ''درس توحید حصہ اول و دوم'' واقعی خاصہ کی کتب ہیں اور کم از کم عقائد کی سطح پر مؤلف مذکور کو توحید پرست و متبع سنت ثابت کرتی ہیں۔ مؤلف مذکور چونکہ حنفی المذہب تھے تو یقیناً فروعات اور قواعدِ اصولیہ میں دوسرے فقہی مسالک سے ان کا اختلاف ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں تاہم ان پر ناصبیت کی تہمت لگانا قطعاً غیر مناسب اور مبنی بر تعصب ہے۔ خود ہمیں تاریخی حقائق کو لے کر کئی جگہوں پر مؤلف سے اختلاف رہا ہے لیکن ان سب اختلاف کے باوجود ان کو کسی طور پر سیدنا علی اور حضرات حسنین کی شان میں سوء ادبی کرنے کا مرتکب گردانا نری جہالت اور علمی

بد دیانتی ہوگی۔مؤلف مذکور نے اپنی کتاب میں اکثر و بیشتر حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' کے بجائے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کا لاحقہ استعمال کیا ہے جس سے یہی تاثر ابھرتا ہے کہ مؤلف مذکور حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کو وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت ان کی صغر سنی کے سبب صحابہ کے بجائے تابعین میں شمار کرتے تھے۔ گرچہ ہمیں مؤلف مذکور کے اس نتیجے سے سخت اختلاف ہے کیونکہ اہل سنت نے اپنی قدیم و جدید تمام کتب میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کو صحابہ ہی مانا ہے اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہ سے زیادہ کم عمر اصحاب کے لئے بھی صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم کیا ہے جیسے ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ اور طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ کئی ایسے اصحاب کی صحابیت کے بارے میں اہل سنت میں اختلاف رہا جو کہ وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت عمر میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے جیسے سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اور ان کے طور کے دوسرے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیت میں اختلاف ان کی صغرسنی کے سبب نہیں بلکہ ان کی رویتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے درآیا جہاں محدثین کو ایسے شواہد ملنے میں اختلاف رہا کہ آیا سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی صغرسنی میں دیکھا تھا یا نہیں۔ پھر رویتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بلوغ یا سن تمیز کی شرط لاگو ہوتی ہے یا نہیں تو اس متعلق بھی محدثین و فقہاء میں اختلاف موجود رہا ہے۔

پھر یہ بات بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائے قنوت یاد کروائی جیسا کہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور اسی روایت پر اہلحدیث عوام و علماء کا عمل ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے متعلق کچھ اشارات تاریخ واحادیث میں ملتے ہیں۔ سب پہلے تو یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

جنگ بدر کے بعد اور جنگ احد سے پہلے ہوا تھا کیونکہ صحیح بخاری میں تصریح ہے کہ سیدنا حمزہ ؓ نے شراب کے نشے میں سیدنا علی ؓ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں اور کوہان چیر دیا تھا جو کہ سیدنا علی ؓ نے اپنے ولیمہ کی دعوت کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ چونکہ سیدنا حمزہ ؓ کی شہادت جنگ احد میں ہوگئی تھی سو لامحالہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہ ؓ کا نکاح سیدنا علیؓ سے جنگ احد سے پہلے اور بدر کے بعد ہوا تھا۔بعض تاریخی شواہد سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ سیدہ ام کلثوم ؓ سیدنا علی ؓ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ان کے بعد ایک لڑکے محسن جو کہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اور پھر سیدنا حسن ؓ پیدا ہوئے۔

تقریباً تمام ہی مورخین نے روایت کیا ہے کہ سیدنا حسن ؓ کی دایہ گیری کی خدمات سیدنا جعفر طیار ؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس ؓ نے ادا کی تھیں جبکہ ابن ماجہ کی روایت میں تصریح ہے سیدنا حسین ؓ کی دایہ گیری کی خدمات سیدنا عباسؓ کی زوجہ ام الفضل ؓ نے ادا کی تھیں۔جعفر طیار ؓ اور اسماء ؓ جنگ خیبر کے وقت مدینہ تشریف لائے تھے جو کہ سن ۷ ہجری کا واقعہ ہے سو اس حساب سے سیدنا حسن ؓ کی ولادت اگر بہت جلد بھی مانی جائے تو وہ سن ۷ ہجری کی بنتی ہے۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت سیدنا حسن ؓ کی عمر ۴ سے ۵ سال بنتی ہے اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دور خلافت میں ۶ سے ۷ سال بنتی ہے بالکل وہی عمر جس پر لفظ صبی کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ امام بخاری نے سیدنا حسن ؓ سے متعلق ایک روایت میں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

اسی طرح سیدہ ام الفضل ؓ فتح مکہ کے بعد مدینہ تشریف لائیں سو اگر مدینہ میں ان کی آمد سن ۸ ہجری میں بھی مانی جائے اور حنین وغیرہ سے فراغت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ واپسی بھی سن ۸ ہجری کے اواخر یا سن ۹ ہجری کے شروع کی مانی

جائے تو سیدنا حسین ؓ کی ولادت سن ۹ ہجری کی بنتی ہے یعنی نبی ﷺ کے انتقال کے وقت ۲ سے ۳ سال کی عمر۔

سیدنا حسن ؓ کی صحابیت میں تو ہمارا نہیں خیال کہ اختلاف ہونا چاہیے کیونکہ نبی ﷺ کے انتقال کے وقت انکی عمر ۴ سے ۵ سال بنتی ہے جبکہ بچے کی یادداشت کام کرنے لگ چکی ہوتی ہے اور اسکا ثبوت سیدنا حسن ؓ سے مروی احادیث بھی ہیں سو سیدنا حسن ؓ تو صغار صحابہ ؓ کی تعریف پر پورے اترتے ہیں اور ایسے کئی صحابہ کے نام ملتے ہیں تاریخ میں جو کہ کم سنی میں سیدنا حسن ؓ کے ہم پلہ تھے اور صغار صحابہ ؓ شمار کئے جاتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ رویت و روایت دونوں اعتبار سے سیدنا حسن ؓ صحابیت کی تعریف پر پورے اترتے ہیں۔

البتہ جہاں تک سیدنا حسین ؓ سے مروی احادیث کا تعلق ہے تو اکثر محدثین نے انکو مرسل صحابہ میں سے مانا ہے کہ سیدنا حسین ؓ نے وہ روایت دوسرے صحابہ سے سن کر بیان کی ہیں جیسا کہ سیدہ عائشہ ؓ سے ہجرت کے واقعات بیان کرنا وغیرہ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

اصول الحدیث کے تحت تو شاید سیدنا حسین ؓ تابعی ثابت کیے جا سکتے ہوں کیونکہ وہ نبی ﷺ کی وفات کے وقت کمسن اور ناسمجھ تھے اور نہ ان کی نبی ﷺ سے براہ راست کوئی روایت ثابت ہے۔لیکن جمہور کے مطابق سیدنا حسین ؓ صحابی تھے کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ کی زیارت کی گو کہ انکو شاید نبی ﷺ کی شکل بھی یاد نہ ہو کیونکہ وہ نبی ﷺ کی وفات کے وقت بہت چھوٹے تھے۔ سو جیسے کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ مورخین کی تصریح کے مطابق سیدنا حسین بن علی ؓ کی ولادت ہجرت کے چوتھے سال ۵ شعبان والے روز ہوئی (سیر اعلام النبلا) جبکہ محدثین کی

تصریحات کے مطابق سیدنا حسینؓ فتح مکہ کے موقع پر شیر خوار بچے کی حیثیت رکھتے تھے جیسا کہ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ سیدنا لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اپنا کپڑا مجھے دیجیے اور خود کوئی اور کپڑا پہن لیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لڑکے کے پیشاب پر تو چھینٹے مارے جاتے ہیں اور لڑکی کے پیشاب کی وجہ سے (کپڑا) دھویا جاتا ہے۔ (كِتَابُ الطَّهَارَةِ وَسُنَنِهَا ۔بَابُ مَا جَاءَ فِي بَوْلِ الصَّبِيِّ الَّذِي لَمْ يُطْعَمْ، حدیث نمبر/ ۵۲۲) یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ سیدہ لبابہ بنت الحارثؓ سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ کی زوجہ تھی اور یہ جوڑا فتح مکہ کے موقع پر مدینہ ہجرت کر کے آیا تھا سو سیدہ لبابہؓ کا یہ واقعہ ہر حال میں فتح مکہ کے بعد کا ہی ہوگا جس میں تصریح ہے کہ سیدنا حسینؓ شیر خوار بچے تھے گویا دو سال یا اس سے چھوٹی عمر کے کیونکہ ان کے پیشاب پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھینٹے مار کر پاکی حاصل کی، دھو کر نہیں۔ جبکہ جب لڑکے کی غذا دودھ کی جگہ اناج ہو جائے یعنی وہ شیر خوارگی کے ایام سے باہر نکل آئے تو اس وقت اس کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے۔ الغرض مورخین کی تصریح کے حساب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت سیدنا حسینؓ کی عمر ۷ سال بنتی ہے جبکہ محدثین کی تصریح کے مطابق وفات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت سیدنا حسینؓ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۵ سال اور کم سے کم ۳ سال بنتی ہے۔

اس تفصیل کا مقصد صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ ان تمام تصریحات کے تحت سیدنا حسین بن علیؓ کی صحابیت ثابت ہوتی ہے سو جو لوگ سیدنا حسینؓ کو صحابی نہیں تابعی باور کرواتے ہیں، ان کا موقف کچھ راجح معلوم نہیں ہوتا۔ سیدنا حسینؓ کا شمار

صغار صحابہؓ میں ہوتا تھا جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پرورش پائی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اتنے بڑے تھے کہ بھاگتے دوڑتے تھے جیسا کہ امام ابن ماجہ کِتَابُ الْأَدَبِ بَابُ بِرِّ الْوَالِدِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ میں حدیث نمبر/ ۳۶۶۶ لیکر آئے ہیں:

''یعلی (بن مرہ) عامری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دوڑے دوڑے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔آپ نے انہیں سینے سے لگا لیا اور فرمایا: اولاد بخل اور بزدلی کا باعث ہے۔۔۔سندہ صحیح''

اور جب سیدنا حسینؓ صحابی ثابت ہوجاتے ہیں تو سیدنا حسنؓ تو بدرجہ اولیٰ صحابی مانے جائیں گے اور یہی صائب مسلک اور درست رائے ہے۔تاہم ہم یہاں اس بات کی بھی وضاحت کردیں کہ ابو الحسین عظیم الدین صدیقی مرحوم نے حضرات حسنینؓ کے لیے ''رحمہ اللہ'' کا لاحقہ لگانے کے باوجود کسی ایک جگہ بھی سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی جناب میں کوئی سوء ادبی یا نقد نہیں کیا۔اور یہی وجہ رہی کہ ابو الحسین عظیم الدین صدیقی مرحوم کی کتب پر جید حنفی و اہلحدیث علماء کی تقریظات اور تائیدی تبصرے موجود رہے۔جیسا کہ کتابِ ہٰذا کے مندرجات سے قارئین کو اندازہ ہوجائے گا۔

اس کتاب میں مؤلف مذکور نے نہایت جزرسی سے تاریخی کتب کی ورق گردانی کرکے امیر یزید بن معاویہؒ کے حالاتِ زندگی یکجا کیے ہیں۔آپ نے پوری کوشش کی ہے کہ امیر یزیدؒ سے متعلق واقعات کو تسلسل اور سیرت کے طور پر

مرتب کیا جائے اور ساتھ ہی امیر یزید سے متعلق جو غلط فہمیاں دروغ گو رواۃ کے سبب کتبِ تاریخ میں شامل ہوگئی ہیں، ان کا ازالہ بھی کیا جائے۔ کتاب اپنے مندرجات کے لحاظ سے نہایت وقیع معلومات پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی عام فہم اور سلیس زبان میں جو عام قاری کے لئے مطالعہ میں آسانی کا سبب قرار پاتی ہے۔ اسی لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کو جدید طباعت کے ساتھ حارث پبلی کیشنز سے ازسرنو شائع کیا جائے تاکہ امیر یزید بن معاویہؓ کی سوانح پر یہ وقیع کام محفوظ ہوکر ضائع ہونے سے بچ جائے۔

اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں سب سے پہلے تو اس اللہ عزوجل کے حضور شکر گزار ہوں کہ اس مالک نے اس احقر کو اس قابل بنایا کہ وہ یہ کام کرسکے۔ اگر اس کی مدد شاملِ حال نہ ہوتو کوئی کام ممکن نہیں۔ اسی کے کرم سے یہ کام ہوسکا ہے اور اس کام کی ہر اچھائی صرف اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے سبب سے ہے۔ اس مالک کُل کے شکریہ کے بعد اپنے عزیز دوست محمد صہیب نذیر صاحب کا شکریہ ادا کرونگا کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچنا ناممکن تھا۔ ان کی ہمت اور ساتھ رہا کہ یہ کام ہوسکا۔ اللہ اس دوستی اور ساتھ کو ہمیشہ بنائے رکھے۔ ساتھ ہی ہم اپنے نہایت فاضل، محترم اور محبت کرنے والے دوست جناب شہباز عالم انصاری حفظہ اللہ کے بھی نہایت شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنے مصروف اوقات میں سے اس کتاب کے لیے وقت نکالا اور نہایت دقّتِ نظری سے کتاب کی نہ صرف کتاب کی کمپوزنگ کی بلکہ پہلی اشاعت میں جو پروف ریڈنگ کی غلطیاں رہ گئی تھیں، ان کو بھی پوری جانفشانی کے ساتھ درست فرمایا۔ اللہ اس تھکا دینے والے کام کے لئے ان کو جزائے خیر سے نوازے۔ یہ احقر ہمیشہ ان کا ممنون رہے گا کہ جب بھی اس کو

اُن سے کسی طور کی مدد و تعاون درکار رہوا، شہباز صاحب ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ موجود رہے۔ اللہ ان کو دین و دنیا میں بہتیرا ترقیاں نصیب کرے اور ان کے لیے دونوں جہانوں میں آرام و سکون کا بندوبست کرے۔ اسی طرح اس کتاب کی اشاعت میں اور بھی چند احباب کی خصوصی مدد شاملِ حال رہی لیکن کیا کروں ان کی درویشانہ صفت کا کہ انہوں نے اپنے ناموں کا تذکرہ کرنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے، اسی لیے ان کا نام لئے بغیر ہی ان کی جناب میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔

کسی بھی کام میں کمال صرف اس ذاتِ بے ہمتا کو ہی سزاوار ہے، مخلوق کا کام تو غلطیوں سے پُر ہوتا ہے۔ پھر بھی اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی کوئی کمی نہ رہ جائے، تاہم اس کے باوجود اگر کوئی کمی یا غلطی رہ جائے تو قارئین سے التماس ہے کہ اس بابت مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر تنقید کو سر آنکھوں پر رکھا جائے گا۔

محمد فہد حارث

۳۰ مارچ ۲۰۱۹

مکرمی جناب ابوالحسن صدیقی مدظلہٗ

''حیات سیدنا یزید رحؒ'' موصول ہوئی۔ اس مہربانی کے لیے از حد مشکور وممنون ہوں، کتاب بے نظیر کا بار بار مطالعہ کیا اور بار بار دل سے دعا نکلی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو عمر نوح مرحمت فرمائے اور خدمت وتبلیغ دین حقہ کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔ سبائی مفسدین کے چودہ سو سالہ گمراہ کن پروپیگنڈہ نے جس بری طرح سے امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کی حیات مبارکہ کو مسخ کیا کہ حقیقت کھو کر رہ گئی ہے۔ یہاں تک کہ اس معصوم تابعیؒ کا نام لینا خود اہل سنت والجماعت بھی عظیم گناہ سمجھتے ہیں آپ نے کمال ہمت اور جرأت ایمانی سے سیدنا یزیدؒ کی حیات مبارکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر کے اپنی دنیوی واخروی زندگی کو سنوارا ہے اور ابدی نجات حاصل کر لی ہے۔

دعا ہے کہ اس عظیم تابعیؒ کی سوانح حیات سے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو مستفید ومستفیض ہونے کا شرف نصیب ہو۔

والسلام

احقر نظامی

ڈاکٹر السّید محمد سلطان نظامی

سیکریٹری جمعیت محبین صحابہؓ لاہور

مکرم ومحترم جناب مولانا عظیم الدین صدیقی صاحب زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘

صرف آپ کا اسم گرامی ہی عظیم الدین نہیں، آپ نے دین کی عظمت بلند کرنے کے لیے ایک بڑا عظیم کارنامہ بھی انجام دیا۔ آپ کو واقعی اور بلا مبالغہ اسم بامسمّٰی کہا جاسکتا ہے۔ آپ نے کتاب ’’حیات یزیدؒ ‘‘ لکھ کر ایک عظیم اور لازوال خدمت انجام دی ہے۔

میرے والد ماجد قاضی محمد احسن الدین شیرکوٹی جو بڑی علمی اور عملی شخصیت ہیں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے خصوصی ساتھیوں اور بزگوں میں سے ہیں ایک ہی استاد کے شاگرد اور ہم وطن اور عزیز ہیں۔۔۔اس وقت ۷۶ سال عمر ہے، بچپن سے تہجد گزار ہیں اور سترہ سال کی عمر سے آج تک تہجد اور دوسرے معمولات میں خلل نہیں پڑا۔ شاہ عبدالمالک نقشبندی کے خلیفہ بھی ہیں زندگی بھر بے شمار دینی خدمات بلاکسی لالچ کے انجام دیتے رہے قاضی شہر تھے شیرکوٹ ضلع بجنور کے ایک بہت بڑا دارالعلوم والد صاحب کی یادگار اب بھی وہاں موجود ہے۔ بڑے وسیع النظر اور محقق عالم ہیں۔ جب میں نے آپ کی یہ کتاب لاکر پیش کی تو اسی وقت سے پڑھنی شروع کردی تھی، تقریباً مکمل پڑھ چکے ہیں، بے انتہا مداح اور دعاگو ہیں۔ اس پر تحریر فرمادیا ہے کہ

’’یہ جلیل القدر صحابیؓ کے خلف الرشید یزیدؒ کی نہایت مستند،

مدلل اور محققانہ سوانح ہے اور کھٹملوں کے زہر کا تریاق بھی‘‘

اللہ آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔

قاضی محمد سمیع الدین
نارتھ ناظم آباد کراچی ٢٣

مکرمی جناب مولانا ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی مدظلہٗ

بعد از سلام خیریت موجود و مقصود

بندہ نے حضور والا کی تالیف کردہ کتاب ''حیات سیدنا یزیدؒ''
کا گہرا مطالعہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق اور حسنین کریمینؓ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ۔ حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے تعلق ۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا حضرت یزیدؒ سے تعلق قسطنطنیہ میں حضرت یزیدؒ کا سپہ سالار ہونا۔ امارتِ حج صحابہؓ کی موجودگی میں انجام دینا تقریباً تین سو صحابہؓ مع ازواج مطہراتؓ کا حضرت یزیدؒ پر اعتماد کرنا حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہؓ کے مشورے سے حضرت یزیدؒ کو ولی عہد بنانا۔

مندرجہ بالا کتاب پڑھ کر بہت خوشی ہوئی سیکڑوں برس سے لوگ جس غلط فہمی کا شکار ہورہے تھے آپ کی کتاب ''حیات سیدنا یزیدؒ'' کا مطالعہ کرکے کافی لوگوں کو فائدہ ہوا اور بناوٹی شبہات دور ہوگئے۔ اللہ آپ کو اس کارخیر کی جزائے خیر نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔ واقعی یہ کام بہت مشکل تھا بڑے بڑے محققین یہ کام انجام نہ دے سکے، جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ سے لے لیا ذٰلك فضل الله يوتيه من يشاء

دعاگو

غلام مصطفی معاویہ

جامع ربانی اکرم آباد، لاہور ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشہور وممتاز اہل قلم علامہ عظیم الدین صاحب کی تالیف ''حیات سیدنا یزیدؒ'' کا ایک ایک لفظ بڑے غور اور انہاک کے ساتھ سنا۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ علامہ موصوف کی یہ تالیف نفاق کے سب سے بڑے فتنہ کا بہر طور مداوا ہے، امیر المؤمنین یزیدؒ اور ان کے والد امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی اور بہتان طرازی کر کے بدنام کرنا اور ان کی بدنامی کے ساتھ دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کا جواز پیدا کر کے دین کی اساس پر ضرب کاری لگاتا ہے، یہ کتاب نفاق کے اس سب سے بڑے فتنہ کا بہترین دفاع ہے، اس فتنہ کا ازالہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر مذکورہ دونوں بزگوں پر الزام تراشی سے صرف نظر کر لیا جائے تو مقتدر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام تراشی، اتہام طرازی کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور منافقین کو نظریہ اسلام کی اساس پر ضرب کاری لگانے میں آسانی ہو جاتی ہے۔۔۔ہم فاضل مؤلف کی خدمت میں پرخلوص ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرتے ہیں۔

حکیم محمد یعقوب اجملی
شاہ فیصل کالونی، اجملی ہاؤس کراچی ۲۵

محترم السید الاستاذ، المکرم محمد عظیم الدین صدیقی صاحب

سلام مسنون

خط ملا۔۔۔۔آج ہی شیخ القرآن سے بات کی، کتاب ''حیات سیدنا یزیدؒ'' ان کو ابھی تک نہیں ملی۔ تبصرہ اور رائے کی درخواست بھی کی، انہوں نے قبول فرمالیا۔

ویسے وہ بھی امیر حضرت یزیدؒ کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمارا ہے لیکن وہ بھی میری ہی طرح برملا اظہار بوجوہ نہیں کرتے۔ یہ مجبوری نامعلوم ہماری کب تک چلے گی؟ کوئی آنے والا نہیں ہے، ورنہ دستی کتب مزید منگواتا۔

والسلام

محمد عبداللہ

خطیب مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد

محترم ومکرم مولانا صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی یہ تصنیف ''حیات سیدنا یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ'' بلاشبہ اس موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجددِ تاریخ اسلام حضرت مولانا محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ کی گرانقدر تصانیف کے بعد آپ نے جس خوبی اور دقت نظر سے امیر المؤمنین حضرت یزیدؒ کی صالحانہ اور مؤمنانہ زندگی پر روشنی ڈالی ہے اور معاندین اسلام مجوسیوں اور یہودیت کی ذرّیت کے پھیلائے ہوئے اکاذیب کی جس عالمانہ اور محققانہ انداز میں دھجیاں بکھیری ہیں وہ قابل تحسین اور لائق صد مبارکباد ہیں۔ سبائیوں، رافضیوں اور ان کے چیلوں چانٹوں نے اسلام کے اس بطل جلیل کے اخلاق وکردار پر اپنی پست فطرت کے مطابق جتنی جھوٹی الزام تراشیاں کی ہیں اور اپنے لیے جہنم کے اسفل ترین حصہ میں جگہ محفوظ کرائی ہے۔ آپ نے بڑی خوبی سے ان کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ دین اسلام کے قابل ذکر خدمت گذاروں میں نوجوان امیر المؤمنین یزیدؒ کو ہی یہ فخر وامتیاز اور اعزاز حاصل ہے اور اس اعتبار سے ان کی شخصیت منفرد ہے کہ ان کے ہاتھ پر ان سے افضل وبہتر فرزندان اسلام نے بیعت خلافت واطاعت کی، ظاہر ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے بلند پایہ صحابہ موجود تھے جو ہر لحاظ سے امیر المؤمنین یزیدؒ سے افضل تھے، ان کا ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ اس نوجوان

کے اخلاق وکرداراولی العزمی، بلند ہمتی اور قائدانہ صلاحیتوں سے نہ صرف مطمئن تھے بلکہ معترف بھی تھے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجرعظیم عطا فرمائے اور صحت وتندرستی کے ساتھ عمر میں برکت دے۔

طالب دعا

احقر منظور احمد عثمانی

صدر ادارہ تحفظ ناموس صحابہ، لاہور

محترم مولانا محمد عظیم الدین صدیقی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی کتاب ''حیات سیدنا یزیدؒ '' اور حادثہ کربلا'' دونوں نظر سے گذریں سبائیوں کا طلسم توڑنے کی جو سعی آپ فرما رہے ہیں میں اس سے پورے طور پر متفق اور آپ کا ہم خیال ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے مقصد میں کامیاب و بامراد بنائے۔ (آمین)

حامل رقعہ کے ذریعہ اپنا ایک کتابچہ آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیج رہا ہوں امید کہ اسے قبول فرمائیں گے۔ اس کے بعد مفصل کتاب ''آئینۂ کربلا'' آنے والی ہے۔ آپ سے پہلی بار یہ نیاز حاصل کر رہا ہوں۔ ردشیعہ میں عمدہ کتابوں سے ہمیں اطلاع دیتے رہیں اور ہمارے لیے مخلصانہ دعا بھی کرتے رہیں۔

حبیب الرحمن خیرآبادی
مفتی جامعہ عربیہ حیات العلوم پیرزادہ مرادآباد

محبی و مشفقی حضرت محمد عظیم الدین صدیقی صاحب زاد الطافکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا فرستادہ تحفہ بصورت ''حیات سیدنا یزیدؒ'' مجھے پہنچا۔ یاد آوری اور کرم گستری کا بے حد شکریہ۔ عشاء کے بعد اسے شروع کیا اور صبح کی اذان تک پڑھ ڈالا۔ جوں جوں امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کی سیرت کا مطالعہ کرتا گیا۔ مزید اشتیاق پڑھتا گیا۔ بلاشبہ اس کتاب کی اشد ضرورت تھی جسے آپ کے تبحرِ علمی نے فراہم کر دیا۔ یقیناً یہ کتاب حیات امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں اس سے بہتر کوئی کیا لکھے گا۔

ربّ العزت دفاع صحابہؓ رسول مقبولؐ میں آپ کی اس سعی بلیغ کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو شہرت عام اور بقائے دوام بخشے۔ (آمین)
خیریت طلب آپ کا اپنا طلبی

قلبیؔ
الحاج محمد اسحاق قلبی
راولپنڈی

امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کی سیرت پر علمی انداز میں اس سے پہلے بھی چند کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اور سیکڑوں سے متجاوز تاریخی کتب میں آپ کے حالات موجود ہیں۔۔۔اس موضوع پر صرف مثبت انداز میں فاضل نوجوان ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی مؤلف کتب کثیرہ نے ''حیات سیدنا یزیدؒ '' نامی تالیف نہایت محققانہ انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ کتاب من البدو والیٰ الختم ٹھوس علمی شہادتوں پر مشتمل ہے۔ اوران افراد کے لیے جو اغیار کے تلبیسی پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر سیدنا یزیدؒ کی ذات کو موردالزام طعن و تشنیع بنا کر اپنے خرمن ایمان کی سوز کاری کا موجب بن رہے ہیں' کے لیے راہ ہدایت بھی ہے اور سرمہ بصیرت بھی۔ اور فاضل مؤلف کے لیے موجب نجات۔

فیض عالم صدیقی

خطیب جامع مسجد اہل حدیث جہلم

زیرنظر کتاب ''حیات سیدنا یزیدؒ '' کا نام سن کر اکثر لوگوں کو تعجب ہوگا، کیونکہ تاریخ میں حضرت یزیدؒ کے کردار کو اس قدر مسخ کیا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا سراغ لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں رہی لیکن تاریخ کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتی اور کوئی نہ کوئی ہمت والا تاریخ کی اصل تصویر دکھا دیتا ہے۔ حضرت مولانا عظیم الدین صدیقی صاحب کا شمار ان محققین اور اہل ہمت مصنفین میں ہونا چاہیے، کہ یہ ان کا حق ہے۔

الحمدللہ فاضل مصنف نے یہ کام بطریق احسن انجام دیا ہے۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء

محمد اسماعیل آزاد
ادارہ معارف الحق، کراچی

تقریظ

از :السید قاری محمد صدیق کاشمیری۔ناظم اعلیٰ جمعیت خطبائے اہل سنت۔آزاد کشمیر

منافقین عجم اور کسرائی ذہن و اقدار سے گہری وابستگی اور قلبی لگاؤ رکھنے والے مؤرخین نے اسلام دشمن انتقامی جذبے سے مجبور ہو کر قرن اوّل کے ہر اس شخص کے خلاف گندگی اور الزام تراشی کے انبار در انبار گھڑے جس نے کسی بھی حیثیت سے اسلامی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہو۔ امیر المؤمنین حضرت یزیدؒ بن معاویہؓ بھی ان ہی مظلوم شخصیتوں میں شامل ہیں، جنہیں بدنام اور رسوا کرنے میں عجمی اہل قلم نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا یہی وجہ ہے کہ قدیم وجدید تاریخی کتابوں میں آپ کے نقائص اور من گھڑت الزامات کی اس قدر بھرمار پائی جاتی ہے کہ ان کے حقیقی نقوش و کردار لا پتہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان حالات میں ان حسین اور سچے موتیوں کی تلاش اور بازیابی کس قدر کٹھن اور دشوار گزار کام ہے جنہیں بارہ سو سال سے من گھڑت روایاتی گندگی میں دبایا جاتا رہا اور جنہیں مسلسل مخالفانہ پروپیگنڈے کے ذریعے مذموم و معیوب باور کرانے کی سرتوڑ کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ مولانا محمد عظیم الدین صدیقی کی ہمت، محنت اور پھر جرأت پوری امت کی طرف سے مبارکباد کی مستحق ہے کہ تاریخ کے اس اہم اور پُر محن موضوع پر زیر نظر کتاب لکھ کر نہ صرف یہ کہ علمی و تحقیقی میدان میں ایک قابل تقلید پیش رفت کی بلکہ حضرات صحابہ کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے خلاف اٹھائے جانے والے اس

''طوفان عداوت'' کے سامنے نا قابل شکست بند باندھا ہے جو کسرائی علم بردار، سیدنا یزیدؒ کے بارے میں من گھڑت اور بے بنیاد کہانیوں کی آڑ لے کر بپا کرتے چلے آرہے ہیں۔ **یالیت قومی یعلمون**

بلاشبہ فاضل موصوف کا یہ تحقیقی کارنامہ تحفظ ناموس صحابہؓ کے سلسلے میں ایک اہم اور مقدس کوشش ہے۔ہم تحسین و آفرین کے نیک جذبات و احساسات کے ساتھ دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور مسلمان قوم کو اس سے مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرمائے ایں دعا از من و از اہل جہاں آمین باد۔

خیر اندیش

محمد صدیق کاشمیری

تعارف

ازقلم

مجتہدالعصر، الشیخ، مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

مظلوم کئی طرح کے ہوتے ہیں۔۔۔ایک وہ جو مظلوم نہیں ہوتے مگر اپنی مظلومیت کا خوب پروپیگنڈہ کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہوجائیں، نیز ان کی اپنی کمزوریاں داستان مظلومیت کے دبیز پردوں میں دب کر چھپ جائیں۔۔۔بعض مظلوم ایسے ہوتے ہیں جو دراصل ظالم ہوتے ہیں لیکن اپنے ظلم کو چھپانے کے لیے مظلومیت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں، بعض مظلوم حقیقۃً مظلوم ہوتے ہیں، مگر ان کی مظلومیت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا جاتا بلکہ اسے پروپیگنڈے کے زور سے اس طرح ذہنوں سے محو کردیا جاتا ہے کہ مظلوموں کی فہرست میں ان کا نام ہی نہیں آتا بلکہ ان کی واقعی مظلومیت کو داستان ظالمیت بنا دیا جاتا ہے۔غرض یہ ہوتی ہے کہ ان مظلوموں کی تمام خوبیاں داستان ظالمیت کی تہوں میں دب کر فراموش ہوجائیں۔دنیا کی تاریخ میں ان تمام قسم کے مظلوموں کی مثالیں موجود ہیں۔

لیکن

ان تمام قسموں سے زیادہ عجیب تر مظلوم وہ لوگ ہیں جو:

ا۔کسی ظلم کے بغیر ہی ظالم فرض کرلیے جائیں۔

۲۔جن کے عظیم کارناموں کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔
۳۔جن کے قابل احترام رشتوں کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا۔
۴۔جن کے قطعی جنّتی ہونے کے باوجود کافروں سے بھی بدتر جہنمی سمجھا جاتا ہے۔
۵۔جن کے فضائل ومناقب کو زبان پر لانا بھی گناہ عظیم تصور کیا جاتا ہے۔
۶۔جن پر لعن طعن کرنا ایک عبادت قرار دیا جاتا ہے۔
۷۔جن کی فرضی داستان ظلم کی تکرار کو زندگی کا بے ضرورت مشن بنالیا گیا ہے۔

آپ سمجھے

یہ کون ہیں؟۔۔۔یہ وہ ہیں جن کے حقیقی پھپھا ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔جن کے خسر ہیں عبداللہ بن جعفرؓ، جن کے بہنوئی ہیں حضرت حسینؓ بن علیؓ۔جن کی قیادت میں جناب حسینؓ، جناب عبداللہ بن جعفرؓ، جناب عبداللہ بن عمرؓ، جناب عبداللہ بن عباسؓ اور میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہؓ وتابعینؒ نے جہاد کیا اور جن کی امامت میں یہ سب حضرات نمازیں ادا کرتے رہے۔جو قائد جہاد قسطنطنیہ ہیں اور جن کو اس جہاد سے بہت پہلے ہی پورے لشکر کے ساتھ زبان رسالت نے مغفرت کی بشارت دے دی تھی۔

ان پر

دو اعتراضات بڑے زور وشور سے کیے گئے ہیں:
۱۔یہ اپنے پدر بزرگوار کی نامزدگی سے خلیفہ ہوئے تھے۔
۲۔چوتھے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرایا۔

دوسرے اعتراض کا جواب تو جناب مولانا محمد عظیم الدین صاحب صدیقی اپنی کتاب ''حادثۂ کربلا'' میں بھی بڑی خوبی سے دے چکے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاتل وہ ساٹھ کوفی ہیں جو آپؓ کو بہکا کر کوفے لیے جارہے تھے لیکن جب آپ نے ان کی غداریوں کا حال معلوم کرلیا تو سفر کا رخ بدل لیا اور خلیفۂ وقت کی بیعت کے ارادے سے دمشق روانہ ہونے لگے تو انہی کوفی دوستوں نے جو خلیفۂ وقت کے دشمن تھے آپ کو قتل کر دیا۔ اور ان بدبخت قاتلوں کو خلیفۂ وقت کی فوج نے ختم کیا۔ دراصل ان کوفی غداروں کو یہ خطرہ تھا کہ اگر چوتھے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفۂ وقت پر یہ راز فاش کر دیا کہ ہم ہی نے ان کو بغاوت پر اکسایا تھا، پھر ہماری خیر نہیں۔ ذہن نشین رہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار نواسے تھے۔ علی بن ابی العاصؓ جنہوں نے دوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوار ہو کر کعبے کے بت گرائے تھے۔ دوسرے عبداللہ بن عثمانؓ جن کی اولاد آج تک باقی ہے، تیسرے حسن بن علیؓ اور چوتھے حسین بن علیؓ ۔۔۔

اور پہلے اعتراض کا جواب پیش نظر کتاب میں دیا ہے جس میں فاضل مصنف نے بعض اچھوتے اور مبنی بر حقیقت نکات کی نشاندہی کی ہے۔ موصوف نے بتایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو مصلائے امامت پر کھڑا کر کے اشارۃً نامزد کر دیا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا فاروق اعظم کو صراحۃً نامزد کیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے چھ آدمیوں کو نامزد کر کے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار انہیں کو دے دیا۔۔۔ سیدنا عثمان ذوالنورینؓ نے کسی کو نامزد کرنے کا موقع ہی نہ پایا۔ سیدنا علیؓ ذی النور نے اپنے فرزند جناب حسنؓ کو مصلائے امامت پر کھڑا کر کے اشارۃً نامزد کر دیا۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کو اپنے بعد کے لیے ہی نہیں

بلکہ زندگی ہی میں نامزد کر کے خلافت سپرد کر دی اور بیعت کر لی۔ پھر حضرت معاویہؓ نے اسی سنت رائجہ کے مطابق اپنے فرزند کو نامزد کر دیا۔ اصولی طور پر نامزدگی کوئی گناہ نہیں بلکہ یہی وہ سنت متواترہ ہے جو عہد نبوی سے اب تک چلی آ رہی تھی۔ اور باپ کے بعد بیٹے کا مسند نشین ہونا بھی کوئی معصیت نہیں ورنہ سیدنا علیؓ صاف لفظوں میں اس کی ممانعت کر دیتے کہ میرے بعد حسنؓ ہرگز خلیفہ نہ ہوں۔ پس جب نامزدگی بھی جائز ہے اور باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ ہونا بھی جائز ہے تو ان دو جائزوں کا ملاپ ناجائز کس طرح ہو جائے گا؟

بہر حال مولانا عظیم الدین صاحب نے اس مسئلے پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے اور اس کے علاوہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے نامزد کردہ خلیفہ برحق کے جو مناقب وفضائل یکجا کیے ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے ان کی محنت شاقہ کی قدر نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی۔

مولانا نے ابھی اس موضوع پر اپنی تصنیف کا صرف پہلا حصہ پیش کیا ہے۔ امید ہے کہ دوسرا حصہ بھی جلد ہی منظر عام پر آئے گا۔ غافلوں اور برخود غلط حضرات کی آنکھیں کھولنے کے لیے یہی حصہ کافی ہے۔ اس نے بہت سی غلط فہمیاں دور کر دی ہیں، تاریخی مغالطے، رسم ورواج اور خود ساختہ تصورات جب عقیدہ و ایمان بن جائیں اور عیارانہ پروپیگنڈہ چہرۂ حقیقت کو مسخ کر دے تو اصلیت کو پہچاننے میں بڑی دیر لگتی ہے لیکن مولانا عظیم الدین صاحب نے صدیوں کو لمحوں میں بند کر کے راستہ بہت ہی قریب کر دیا۔ اب منزل تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی، اور حقیقت کو پہچاننے میں تاخیر نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہاں یہ نقطہ یاد رکھنا چاہیے کہ تمام سلاسل طریقت سیدنا علیؓ سے جا ملتے ہیں

اور ہم نے دیکھا کہ ہر خانقاہ، ہر گدی، ہر آستانے اور ہر تکیے پر یہ ہوتا ہے کہ باپ مرا اور بیٹا گدی نشین ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ سلسلہ تو حضرت علیؓ کا ہے اور وہاں سنت حضرت معاویہؓ کی چل رہی ہے۔ یہ ہیں وہ حضرات جو ہمیشہ سنت معاویہؓ پر طعن کرتے ہیں مگر انہیں کی سنت اختیار کرنے پر مجبور ہیں اور شاید ہمیشہ ہی مجبور رہیں گے۔ اور اپنی زندگی کے اس داخلی تضاد کو کبھی دور نہ کر سکیں گے۔

محمد جعفر پھلواری

کراچی



پیش گفت

تاریخ سازی اور تاریخ نویسی ۔۔۔ دو مستقل عنوان ہیں ۔ جن سے عملاً عہدہ برآ ہونے کے لیے الگ الگ استعداد اور صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور چونکہ ان میں سے ہر عنوان اپنی وسعت و ہمہ گیری اور تنوع کے اعتبار سے ہمہ تن یکسوئی اور دوسرے سے بے اعتنائی کا متقاضی ہے اس لیے عموماً ایسا ہوتا ہے کہ تاریخ ساز قوم کو اپنی تاریخ لکھنے اور مرتب کرنے کی مہلت نہیں ملتی ۔۔۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ فکر و عمل کی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ تن، من، دھن کی بازی لگا کر تاریخ بنانے والی قوم کے مصروفِ کار اور جادہ پیما افراد کو اطمینان وسکون اور فرصت و فراغ کے وہ لمحات ہی میسر نہیں ہوتے کہ وہ گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر ذہنی و فکری یکسوئی سے اپنی ''ثبت است بر جریدۂ عالم'' تاریخ کی روداد مرتب و مدون کرسکیں ۔ بصورتِ دیگر تاریخ ساز قوم اگر تاریخ نویسی پر توجہ دینے لگے تو پھر قلم و قرطاس کی اس شکست و ریخت میں الجھ کر وہ جہد و جہادِ مسلسل کو جس کا دوسرا نام تاریخ سازی ہے، باقی نہیں رکھ سکتی ۔ یہ ایک ایسی فطری حقیقت ہے کہ جس کے ثبوت پر بھاری بھرکم دلائل کی قطعاً ضرورت نہیں ۔۔۔ اس کے محسوس اور غیر محسوس شواہد قوموں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں شب و روز پیش آتے رہتے ہیں ۔۔۔ کُشتی، کبڈی، ہاکی، والی بال، کرکٹ اور باکسنگ وغیرہ کا مظاہرہ کرنے والے کسی شخص کو اپنے فن اور عمل کی کمینٹری یا آنکھوں دیکھا حال پیش کرتے ہوئے بھی کبھی آپ نے دیکھا ہے؟ ۔۔۔ ہرگز نہیں ۔ اس لیے کہ دو مختلف مزاج اور متضاد

کیفیات کی یکجائی و اجتماع ممکن ہی نہیں۔ تو پھر آپ کسی تاریخ ساز قوم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ تاریخ سازی کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی کے فرائض بھی انجام دے۔ **ذٰلك تقدير العزيز العليم**

اور چونکہ قوانین فطرت میں کوئی استثنائی گنجائش نہیں اس لیے لامحالہ عرب قوم کو بھی ان ہی فطری و تکوینی ضابطوں اور راہوں سے دوچار ہونا پڑا۔ خاتم المعصومین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مشہور شہر مکہ معظّمہ اور قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے۔ اگر چہ آپ کی بعثت تمام بنی نوع انسان کے لیے تھی، لیکن گرد وپیش کے عرب معاشرت اور دعوت اسلام کی اولین مخاطب عرب قوم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ آپ کے فیضان صحبت سے تربیت یافتہ حضرات صحابہ کرامؓ کی وہ مقدس جماعت تیار ہوئی، جسے انسانی فضائل وکمالات نقطۂ عروج ہی نہیں، بلکہ سعی وعمل کا مجسم پیکر اور سرتاپا جہد وجہاد کہنا زیادہ مناسب ہے۔ مکی دور میں انتہائی ظلم وستم کے باوجود ایمان واسلام پر استقامت اور پیش آمدہ مصائب وشدائد پر خندہ پیشانی سے صبر، مدنی عہد میں کٹھن اور مایوس کن حالات کے باوجود میدان جہاد میں مسلسل جادہ پیمائی حضرات خلفائے راشدین سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے رشد وہدایت بھرے پچیس سالہ دور میں جہانگیری و جہانبانی کے ناقابل فراموش کارنامے، سیدنا علیؓ کی ساڑھے چار سالہ آزمایشی عبوری حکمرانی میں دشمنان اسلام کی بپا کردہ اسلام دشمن کاروائیوں کے مقابل نبرد آزمائی۔ ساٹھ لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ میں پھیلی ہوئی سیدنا معاویہؓ کی بیس سالہ خلافت راشدہ اور اس میں ہونے والی تسخیر و فتوحات اور انسانی واسلامی خدمات' یہ سب کچھ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ

قرن اول کی مسلم قوم خصوصاً مسلمانان عرب، انسانی روپ میں سعی وعمل کی وہ چلتی پھرتی تعبیریں تھیں، جن سے اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سازی کا مقدس کام لیا۔ بایں ہمہ فکر وعمل کی تقسیم کے اس فطری قانون کی تنفیذ کا یہ کرشمہ ہے کہ جب تک مسلمان قوم اپنی تاریخ بنانے میں مصروف رہی، انہیں تاریخ نویسی کی جانب توجہ کا موقع نہ مل سکا۔ اور جب اس طرف دھیان لگایا تو تاریخ سازی کا وہ عمل قلم وہ قرطاس کے سنگم اور اس سے پیدا شدہ نتائج وعواقب کی بھینٹ چڑھ کر رہ گیا، جس کے نتیجہ میں انہوں نے عرب کے ریگزاروں سے نکل کر اقصائے عالم میں کبھی نہ مٹنے والے تاریخی نقوش ثبت کیے تھے۔ تاریخ سازی کے اس دور میں آپ کو عالم، فاضل، محدث، مفسر، فقیہ، شمشیرزن، تیرانداز، شہسوار، حاکم، عامل، افسر، قاضی اور گورنرغرض یہ کہ ہر وصف ومنصب کے لاتعداد افراد مل جائیں گے، لیکن آپ اس تاریخ سازقوم کے مصروف عمل افراد کی بغور چھان بین کریں تو ''تاریخ نویس'' نام کی کسی قابل ذکر شخصیت کی دستیابی سے محروم رہیں گے۔ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیك البصر خاسئا وھو حسیر

سطور بالا پڑھ کر آپ کے ذہن میں یقینا یہ سوال کروٹیں لے رہا ہوگا کہ پھر مسلمانوں کی تاریخ کے یہ بیش از بیش ذخیرے کیوں، کیسے اور کہاں سے وجود میں آئے؟

موضوع اگرچہ تفصیل طلب ہے جس کے لیے تمہید کے طور پر لکھی گئیں یہ سطریں قطعاً ناکافی ہیں۔ اس لیے تفصیلات کسی دوسری فرصت کے لیے قلم انداز کرتے ہوئے، اجمالی اشارات پیش خدمت ہیں۔

خلیفہ بلافصل، سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں ایران کی مجوسی

حکومت کے سہارے پر بپا کردہ مسیلمہ کذاب کے جھوٹی نبوت کا فتنہ ختم ہی نہیں کیا گیا بلکہ بعض ناگُریز مجبوریوں اور انسانی تحفظات کے پیشِ نظر ایرانی فتوحات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔۔۔ خلیفۂ عادل سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانۂ خلافت میں تسخیر و فتوحات کا یہ سلسلہ بہت دور تک پھیل گیا۔جس کے نتیجے میں روم و ایران وغیرہ مختلف علاقوں کے جنگی قیدی مدینہ منورہ آنے لگے۔حضرت عمرؓ اس بات پر راضی نہ تھے کہ ان قیدیوں کو مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ رکھا جائے، آپ ان ممالک کے لوگوں کی نفسیات سے بخوبی واقف تھے۔ نیز آپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مفتوحہ اقوام کے جنگی قیدیوں کا احساسِ محرومی کسی وقت بھی انتقام کا روپ دھار سکتا ہے۔لیکن حضرت عمرؓ نے بعض حضرات کے مسلسل اصرار پر جنگی قیدیوں کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ قیدیوں کی دیکھ بھال اور نومسلموں کی تربیت پر مامور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عجمی قیدیوں اور نومسلموں کو علوی وعباسی خانوادوں کے ساتھ گھلے ملے رہنے کے مواقع میسر رہے۔اور اسی خلا، ملا کے ذریعے انہوں نے بنو ہاشم اور بعض ایسے نوجوانوں کی ذہنی تعمیر شروع کردی جنہیں وہ بوجوہ اپنے خفیہ انتقامی مشن میں بطورِ آڑ استعمال کرسکتے تھے۔ چنانچہ ایرانی نومسلم قیدیوں نے سیدنا علیؓ اور خاندانِ رسالت کے کچھ دوسرے بزرگوں کے ساتھ اظہارِ محبت وعقیدت کو اپنی انتقامی تحریک کا ابتدائی قدم قرار دے کر غلوعقیدت کا وہ دروازہ کھول دیا،جس نے آگے چل کر فرضی فضائل ومناقب کے بل پر شخصیت پرستی کے وہ وہ طریقے درآمد کیے، جن کے سامنے یہود ونصاریٰ کی افراط اور اشخاص پرستی بھی شرمسار دکھائی دیتی ہے۔خلیفۂ برحق سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں مرکز سے دور کوفہ، بصرہ

اور مصر وغیرہ علاقوں میں خفیہ انداز میں اس انتقامی پروگرام کو منظم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ بالآخر حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اسی انتقامی سازش کے تحت شہید کیے گئے۔ اس انتقامی پروگرام میں بنو ہاشم، بالخصوص حضرت علیؓ کے ساتھ محبت اور ان کے استحقاق و برتری کے اظہار کو بڑی اہمیت حاصل رہی تھی اس لیے انتقامی مشن کے مزید تحفظ کے لیے ضروری سمجھ کر سبائی بلوائیوں اور قاتلوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ سیدنا علیؓ کے عبوری دور کی خانہ جنگیوں میں لاکھ کے قریب انسانوں کا قتل عام اسی انتقام کی ایک کڑی ہے۔۔۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ نے امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر کے عجمی انتقام کی پیش رفت کو روک دیا۔ سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں ان سازشوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا اس لیے اسلام دشمنی تحریک نے زیرِ زمین مشن کی صورت اختیار کر لی۔۔۔ یہی وہ دور ہے جب انتقامی عناصر نے بڑے پیمانے پر روایات گھڑیں اور انہیں حد درجہ راز داری، تقیہ بازی اور کتمان واخفا کی دبیز چادر میں چھپا کر عام کرنا شروع کیا۔ حتی کہ ان عجمی ٹکسالوں سے روایات و حکایات کے اس قدر کھوٹے سکے گھڑے گئے، اور پھر انہیں ہمہ گیری و تسلسل کے ساتھ اتنا پھیلایا گیا کہ اس خالصتاً انتقامی و سیاسی تحریک نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا۔ آگے چل کر انہیں موضوع روایات اور مبالغہ آمیز مناقب کے ذریعے بنو عباس اور بنو علی نے عجمیوں سے ساز باز کر کے بنو امیہ کا تختہ الٹ دیا۔

”وضعت الرفضة فی فضائل علیؓ واھل البیت نحو
ثلاث مائة الف حدیث“

(موضوعات کبیر ص/۱۰۶)

''روافض نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل سے متعلق تین لاکھ کے لگ بھگ روایتیں بنائی ہیں''

"ومن ذٰلك الاحاديث فى ذم معاوية وذم عمرو بن العاص وذم بنى امية ومدح المنصور والسفاح و كذا ذم يزيد والوليد ومروان بن الحكم"

(موضوعات کبیر ص/۱۰۶)

''اسی طرح حضرت معاویہؓ ، حضرت عمر بن عاصؓ اور دیگر بنوامیہ، خصوصاً امیر یزیدؒ اور ولیدؒ اور حضرت مروان بن حکمؓ کی برائی۔ اور خلیفہ منصورؒ اور خلیفہ سفاحؒ کی تعریف سے متعلق روایات بھی من گھڑت اور وضعی ہیں۔''

صرف یہی نہیں کہ عجمیوں نے اپنی انتقامی حکمت عملی کے پیش نظر مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ کر ایک کی تعریف اور دوسرے کی برائی میں روایتیں گھڑیں، بلکہ انہوں نے اسلامی عقائد اور اعمال کے ہر ہر گوشے سے متعلق ایسی ایسی گھناؤنی، متضاد اور نا قابل فہم روایات بھی وضع کیں، جن سے اسلامی تعلیمات کا منور چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا۔ بنوعباس کے دور میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اب تک زبانی سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی روایات کو باقاعدہ مدّون ہونا چاہیے، تاکہ سیاسی اور انتقامی مصلحت کی خاطر گھڑا گیا یہ مواد نہ صرف محفوظ ہو جائے، بلکہ آئندہ آنے والوں کے لیے مستقل طور پر ایسا رکارڈ ثابت ہو جس کے ذریعہ اجتہاد و استنباط، بحث و تمحیص اور اختلاف وانتشار کا نہ بند ہونے والا دروازہ کھل جائے، جس میں داخل ہو کر مسلمان قوم اتحاد و اجتماعیت اور باہمی اخوت ومحبت سے محروم ہو کر عجمی

انتقام کا شکار ہوتی رہے۔

اموی دور خلافت میں تاریخ ساز مسلم قوم بالخصوص عربوں کو کسی اور طرف توجہ کی فرصت نہ ملی اور جب عباسی دور میں تاریخ نویسی باقاعدہ شروع ہوئی تو عموماً عجمی اہل علم اور ارباب قلم اس علمی اور روایاتی سرمائے کے حامل و وارث ہو چکے تھے جنہوں نے فرصت وفراغ کی بدولت صحیح وسقیم ہر دو طریقوں سے سن کر اسے اکٹھا کر لیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس علمی ذخیرے میں صحیح احادیث اور سچے تاریخی احوال پر مشتمل روایات بھی موجود تھیں۔لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وضعی و من گھڑت روایات، جھوٹے قصے اور فرضی داستانیں غالب حیثیت کی حامل تھیں۔ اللہ بھلا کرے فقہائے محدثین کا کہ دشواریوں کے باوجود انہوں نے بڑی حد تک رطب و یابس روایات کے اس ڈھیر کی چھان پھٹک کا مقدس فریضہ انجام دیا۔مثال کے طور پر امام بخاریؒ کو لیجیے کہ انہوں نے کم وبیش چھ لاکھ روایات میں اپنے مقرر کردہ معیار صحت کے مطابق پونے تین ہزار کے لگ بھگ روایات کا انتخاب کر کے باقی کو قلم انداز کر دیا۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانے تک سقیم وغیر صحیح روایات کا کس قدر انبار لگایا جا چکا تھا۔

صحیح بخاری کے گہرے اور حقیقت پسندانہ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات کی تنقیح وتطہیر کا عمل جاری تھا کہ امام بخاریؒ کا انتقال ہو گیا، ورنہ کچھ اور موقع ملتا تو وہ اس میں مزید حک واضافے سے کام لیتے۔صحیح بخاری میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جہاں باب یا ترجمۃ الباب یا متعلقہ روایات کا اندراج نہیں۔یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ موجودہ کتاب امام بخاریؒ کا وہ بیاض ہے جو ان کے

زیر تحقیق وتدوین تھا۔جس میں مزید کمی ،بیشی کے لیے انہوں نے جگہیں چھوڑ رکھی تھیں ،جنہیں وہ کسی وجہ سے اپنی زندگی میں پر نہ کر سکے۔

بلاشبہ امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کرام نے لاکھوں مخلوط روایات کے انبار سے صحیح روایات چھانٹنے کا عظیم کام انجام دیا۔لیکن اس عمل تطہیر کو نہ انہوں نے حرف آخر سمجھا اور نہ ہی دوسرے فقہاء ومحدثین نے اس پر کسی کمی وبیشی کو ممنوع قرار دیا ہے۔اس لیے بعد میں آنے والا محقق اگر کسی روایت کے بارے میں دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کر دے کہ یہ روایت صحت کے اس معیار پر پوری نہیں اترتی جو خود امام بخاریؒ نے مقرر کیا۔ یا جسے قرآن مجید نے معیار قبول قرار دیا ہے۔تو یہ کوئی انوکھی اور اچنبھے کی بات نہیں ،متقدمین ومتأخرین فقہاء وعلماء اسی اصول کے مطابق روایات کی ترجیح یا تردید کرتے آئے ہیں۔بنابریں،فضائل اعمال،مناقب، مثالب، مشاجرات اور بیان واقعات سے متعلق روایات کے سلسلہ میں اختیار کی گئی سہل انگاری اور اس سے پیدا شدہ اعتقادی فساد اور عملی بے راہ روی کے پیش نظر از حد ضروری ہے کہ عنوانات بالا کی تمام تر روایات کو محققین اور ارباب فکر ونظر روایت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس اہم اور مقدس بلکہ ضروری فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں۔ جو اَب سے بہت پہلے تکمیل تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ تاریخی روایات وضع کرنے۔ اور ان کی نوک پلک درست کر کے مرتب و مدون کہانیوں کا روپ دینے والے عموماً مفتوحہ مما لک کے وہ عجمی افراد تھے،جنہوں نے احساس محرومی سے پیدا شدہ انتقامی جذبہ کے پیش نظر تاریخ نویسی شروع کی ،تا کہ اس طرح وہ مسلمان عرب فاتحین کی بے عیب تاریخ کو اس درجہ گھناؤنا انداز دے سکیں کہ بعد میں آنے و لے مسلمان اپنے اسلاف کے زریں تاریخی کارناموں پر فخر

سے سرا ونچا کرنے کے بجائے، ان ''مسخ شدہ تاریخی اساطیر'' کو پڑھ کر اقوام عالم کے سامنے منہ دکھانے کے لائق نہ رہ سکیں۔تاریخ کے مطالعہ سے عموماً یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ السیدین الکریمین حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؒ کو اس عجمی تیر اندازی کا سب سے زیادہ نشانہ کیوں بنایا گیا۔۔۔؟ بات یہ ہے کہ عجمی مفتوحین نے محسوس کرلیا تھا کہ مسلمان قوم فاتحین روم وعجم حضرات خلفائے ثلاثہ، سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی شان میں کسی بھی بدگوئی اور بدفہمی کو براہ راست قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اس لیے بنو ہاشم کو خلفائے مابعد کے ساتھ محاذ آرا کر کے ان کی فرضی مظلومیت اور ان کے ساتھ جھوٹی ہمدردی کا سوانگ رچا کر، حضرات خلفائے راشدینؓ اوران تمام مجاہدین صحابہؓ پرسب وشتم، تبرّابازی اور انتقامی کاروائی کی راہ نکالی جن کے عزم وہمت، استقلال وشجاعت اور ایمان واستقامت کے سامنے ان کی شان وشوکت اور چودھراہٹ ہوا ہوکر رہ گئیں۔اور جنھوں نے دین حق سے عداوت کی پاداش میں ان کی ناقابل شکست قوت اور ناقابل تسخیر حکومتوں کو پیوند خاک کرڈالا تھا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بعد خلافت کے لیے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا۔حضرت عمرؓ نے بحالت زخمی چھ افراد پر مشتمل انتخابی کمیٹی مقرر کی جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوئے، نیز حضرت عمرؓ ہی نے سن ۱۸ھ میں حضرت معاویہؓ کو شام کا گورنر بنایا، حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں اس اہم ترین عہدے پر برقرار رکھا۔اور بالآخر حضرت علیؓ کے دور کی خانہ جنگیوں اور اپنی ہی سیاسی پارٹی کے ہاتھوں شہادت اور پھر حضرت حسنؓ کی سپردگیٔ خلافت کے بعد سیدنا معاویہؓ پوری اسلامی ریاست کے متفق علیہ خلیفہ ہوئے۔حضرت معاویہؓ

نے امت کی بھلائی اور اجتماعیت کی خاطر اکابر صحابہؓ کے مشوروں اور رائے عامہ سے استصواب کے بعد اپنے ہر دلعزیز صاحبزادے سیدنا یزیدؒ کو نامزد کیا۔ جو نامزدگی کے تقریباً دس برس بعد ۲۲ / رجب ۶۰ ہجری کو اپنے والد بزرگوار حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد مسند آرائے خلافت ہوئے، تو گویا حضرت صدیق اکبرؓ سے لیکر سیدنا معاویہؓ اور سیدنا یزیدؒ تک ایسا تسلسل ہے، جس کی کسی ایک کڑی پر حرف گیری ونکتہ چینی، پورے سلسلہ پر نکیر کے مترادف ہے۔ درحقیقت جو لوگ حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند حضرت یزیدؒ پر لعن وطعن، سب وشتم اور تبرّا روا سمجھتے ہیں وہ ان عجمی سازشیوں کے فراہم کردہ تیر برسانے میں مصروف ہیں، جن کا اصل مقصد اس آڑ کے ذریعہ حضرات خلفائے راشدین ثلاثہ اور دیگر فاتحین صحابہؓ کو ہدف بنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے محققین نے منافقین عجم کے گھڑے ہوئے ان تبرّا انگیز روایاتی سہاروں کو چھان پھٹک کر ان کا وضعی، من گھڑت اور سفید جھوٹ ہونا پوری شدت وقوت سے بیان فرمایا ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ حنفی کی عبارت او پر گذر چکی ہے جس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؒ نیز دیگر بنو امیہ کی مذمت پر مشتمل تمام روایات کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ اسی سلسلہ میں علامہ ابن کثیرؒ کی تحقیق ملاحظہ ہو:

"وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویہ کلھا موضوعة لا یصح شیء منھا"

(البدایہ والنہایہ ج / ۸ ص / ۲۳۱)

''مؤرخ ابن عساکر نے امیر یزید بن معاویہؓ کی مذمت کے سلسلہ میں جس قدر روایات بیان کی ہیں وہ تمام من گھڑت

ہیں ان میں ایک بھی صحیح نہیں۔''

مناسب ہے کہ اختصار کے ساتھ حضرت معاویہؓ و یزیدؒ کے بعض ان کارناموں کی نشاندہی کردی جائے جن کے بارِ احسان سے اسلامی دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ اور وہی کارنامے روایات ساز عجمی منافقین کے لیے ان ہردو محسنین اسلام سے کبیدگی وعداوت کا سبب ہیں۔

فاتح ردم وایران سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد عجمی ورومی مفسدین کو توقع تھی کہ اس نا قابل تدارک نقصان کے بعد مسلمان قوم کی تسخیر جادہ پیمائی رک جائے گی۔ لیکن سیدنا ذوالنورینؓ نے اسلامی خدمات وفتوحات کے تسلسل کو برقرار رکھا۔ چنانچہ آپ ہی کے عہد خلافت میں فتح ایران کا سلسلہ تکمیل کو پہنچا۔ اور ''مجوسی ایران'' کے تاجدار ''یزدگرد'' کی ہلاکت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ إذا هلك کسریٰ فلا کسریٰ بعدهٗ اس لیے بہ نیت انتقام نومسلم مجوسیوں نے عرب معاشرے کے بعض افراد کے سہارے شورش اٹھائی اور آپ کو مظلومانہ شہید کر کے اسلامی خلافت کو مجوسی حکومت میں بدل ڈالنے کا پروگرام مرتب کیا۔ لیکن سیدنا معاویہؓ کے عزم وہمت، استقلال وتدبر اور بروقت مدافعت نے ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔ دوسری طرف اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں سیدنا یزیدؒ نے قسطنطنیہ جیسے اہم رومی علاقے پر پہلی بار جہاد کر کے نہ صرف یہ کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک سے بشمول جملہ شرکائے لشکر ''بشارت مغفرت'' حاصل کی، بلکہ رومی عیسائیوں پر وہ ضرب کاری لگائی جس کی دہل آج بھی عیسائی دنیا میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ عجمی ارادوں میں ناکامی اور رومی شرارتوں کے خلاف یہ نتیجہ خیز جہادی سرگرمیاں ہی حضرت معاویہؓ

اور حضرت یزیدؒ کے خلاف اس پروپیگنڈے کا اصل سبب ہیں، جسے عجمی ذہن وقلم کی مشترکہ کاوش کے نتیجے میں جمع کردہ تاریخی روایات کے انبار درانبار ملبے میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان حالات میں امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ اور امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کی شخصیات اور ان کی اسلامی فتوحات وخدمات سے بھرے عہد خلافت سے متعلق جس قدر بھی غلط بیانی و ناانصافی سے کام لیا گیا ہو وہ کم ہے۔ تاہم امیر المؤمنین یزیدؒ کے خلاف گھڑی گئیں روایات اور ان کے خلاف عائد کردہ جھوٹے الزامات کی مسلسل ومنظم تشہیر کے باوجود افترائی وتبرائی دھول سے اٹی ہوئی تاریخی فضا نے ان کے حق میں ''ہمعصر امت'' کی ان شہادتوں کو بھی محفوظ رکھا ہے جو آج تک سبائی منافقین کے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہے ؎

بوئے گل قید وحراست میں نہیں رک سکتی

باغباں لاکھ اٹھایا کریں دیوار چمن

شیخ الصحابہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا طرزِ عمل اور فرمان۔ سیدنا عباسؓ کی گواہی۔فرزند علیؓ حضرت محمد بن حنفیہؒ کا مکالمہ۔ برادر حسینؓ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا اپنی دختر ام محمدؒ کو امیر یزیدؒ کے عقد میں دینا۔فرزند حسین حضرت علی اصغرؒ یعنی زین العابدین کا "**وصل اللہ امیر المؤمنین یزید**" کہہ کر دعائے خیر سے یاد کرنا۔ جہاد قسطنطنیہ کے موقع پر بزرگ صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ سمیت بہ کثرت صحابۂ کرامؓ اور اکابر امت کا شریک مہم ہوکر امیر لشکر سیدنا یزیدؒ کی قائدانہ صلاحیت اور ہر دلعزیزی پر عملاً مہر تصدیق ثبت کرنا وغیرہ ایسے تاریخی حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ نیز استصواب رائے عامہ کے بعد قائم شدہ آپ کی ولی عہدی اور پھر خلافت پر حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ تمام ہی ہم عصر صحابہؓ

وتابعینؒ کا اجماع اس بات کا منہ بولتا، نا قابل انکار ثبوت ہے کہ سیدنا یزیدؒ اپنے ہمعصر اکابر واصاغر کی نگاہ میں قیادت وخلافت کے جائز مستحق تھے۔ سبائی منافقوں نے آپ کو بدنام کرنے کے لیے جن واہی تباہی روایات کے ڈھیر لگائے ہیں وہ سبائیت زدہ مسموم ذہنوں کے لیے جاذبیت رکھ سکتے ہیں، لیکن جن صاحبان علم وانصاف کے نزدیک ہمعصر صحابہؓ اور اکابر امت کا طرز عمل اور فیصلہ حق وصداقت کی پرکھ کا حقیقی معیار ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مشاہدات اور ذاتی تجربات کے مقابلے میں بعد والوں کی سنی سنائی باتیں دروغ بانی اور افترائے محض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ان تمہیدی کلمات کے ساتھ ہم حیات سیدنا یزیدؒ پر تفصیلی گذارشات پیش کرتے ہوئے اللہ رب العزت سے دست بدعاء ہیں کہ تحفظ ناموس صحابہؓ کی اس کوشش کو قبول فرما کر حفاظت اسلام وناموس صحابہؓ کی سچی تڑپ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو زیر نظر مقالے کے پیش نگاہ کو سمجھنے اور اس پیغام حق کو عام کرنے میں مجلس عثمان غنیؓ کے ساتھ جادہ پیما ہونے کی توفیق عنایت فرمائی۔

وفقنا اللہ وایاھم لما یحب ویرضیٰ وصلی اللہ
تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

﴿ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی﴾

خطیب مسجد اقصیٰ کورنگی ۲/۵۱ کراچی ۳۱

۲۲/رجب المرجب سنہ ۱۳۹۸ ہجری

بدی کے ساتھ جو ذکر یزید کرتے ہیں
کہوانیسؔ کہ یہ ہے طریق بولہبی
زبان طعنہ وتشنیع کھولنے والے
منافقین ہیں یا ہیں شکار بے خبری

نقوشِ زندگی

شجرۂ نسب

عبد مناف

ہاشم	عبد شمس
عبد المطلب	امیہ
عبد اللہ	حرب
خاتم المعصومین محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم	سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ
	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
	امیر المومنین سیدنا یزید رحمہ اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام ونسب:

آپ کا نام یزید۔کنیت ابوخالد۔ والد کا نام سیدنا معاویہؓ ۔اور والدہ کا نام سیدہ میسونؒ ہے۔آپ کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں عبدمناف پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔آپ کی پھوپھی سیدہ امّ حبیبہؓ کو ام المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے حقیقی پھوپھا ہوتے ہیں۔

والد:

سیدنا یزیدؒ کے والد ماجد، سیدنا معاویہؓ دنیائے اسلام کی ان چند مقتدر اور باعظمت ہستیوں میں سے ہیں جن کے احسانات وخدمات سے مسلمان قوم کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔آپ اکابر صحابہ کی صف میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔اظہار اسلام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں مسلسل حاضری اور کتابت وحی جیسے اہم فرض کی انجام دہی۔ برادر نسبتی جیسا قریب وعزیز ترین رشتہ۔ جہاد فی سبیل اللہ میں انتھک کوشش لسان نبوی سے خوشنودی الٰہی اور حصول جنت کی عظیم تر بشارت۔ حضرات خلفائے راشدین، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں اپنی قائدانہ و مدبرانہ صلاحیت سے اشاعت اسلام اور تسخیر وفتوحات میں نمایاں کردار۔ تاریخ ابن کثیر جلد/ ۸ صفحہ/ ۱۱۷ کی روایت کے مطابق ختم نبوت

کے اولین باغی، مسیلمہ کذاب کا قتل۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے بحری بیڑے کی تیاری۔ رومی عیسائی حکومت کے خطرے سے عالم اسلام کی سرحدوں کی حفاظت۔ قبرص، روڈس، صقلیہ اور سوڈان جیسے اہم ممالک کی فتوحات سالہا سال کی خانہ جنگی اور اندرونی خلفشار کے بعد پورے عالم اسلام کو ایک جھنڈے تلے اکٹھا کر کے ایک طرف اہل اسلام کو فاصبحتم بنعمتہ اخوانا کی مضبوط اور نا قابل شکست ڈوری میں پرونا، اور دوسری جانب مسلمانوں کے باہمی انتشار سے فائدہ اٹھا کر اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ کائنات سے کھرچ پھینکنے کا منصوبہ بنانے والی قوموں کے مقاصد اور ارادوں کو پیوند خاک کرنا، غرض یہ کہ یہ اور ان جیسے بے شمار شرف سیدنا معاویہؓ کو حاصل ہیں۔

جلیل القدر صحابی، خلافت راشدہ کے عظیم مدبرّ و با صلاحیت جرنیل اور بیس برس کے لگ بھگ حجاز مقدس سے افریقہ، اور بحر روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی اسلام ریاست کے متفق علیہ اور ہر دلعزیز خلیفۂ راشد حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما ہی ہیں جن کے لیے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہادی و مہدی ہونے کی دعا فرمائی۔ جنہیں وحی ربانی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافت کی نوید اور جنت ومغفرت کی بشارت سنائی۔

حضرت عبدالرحمن بن عمیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کے حق میں فرمایا کہ:

اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیا وھدبہ

(ترمذی ص/۲۲۵ ج/۲)

''اے اللہ! معاویہ کو ہادی ومہدی بنا اور ان کے ذریعہ لوگوں

کو ہدایت کی توفیق عطا فرما۔''

حضرت عمرو بن العاصؓ ارشاد نبوی ﷺ نقل فرماتے ہیں کہ:

"اللھم علمه الکتاب ومکن له فی البلاد وقه العذاب"

(البدایہ والنہایہ ص/۱۲۱ ج/۸)

''اے اللہ معاویہؓ کو کتاب اللہ کا علم عنایت فرما، شہروں میں شوکت وقوت عطا فرما اور عذاب سے محفوظ فرما''۔

حضرت حسینؓ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل فرماتے ہیں:

"لا تذهب الایام واللیالی حتی یملك معاویة"

(البدایہ والنہایہ ص/۱۳۱ ج ۸)

''دن اور رات کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ معاویہؓ خلیفہ نہ ہو جائیں گے''۔

خاتم المعصومین ﷺ فرماتے ہیں کہ:

یبعث الله تعالی معاویة یوم القیمة وعلیه رداء من نور الایمان

(کنز العمال ص/۱۹۰ ج/۶)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہؓ کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہوگی''۔

والدہ:

سیدنا یزیدؒ کی والدہ حضرت میسونؒ یمن کے مشہور عربی قبیلہ، بنوکلب کے سردار کی لڑکی تھیں۔ بنوکلب ملک شام کے سرحدی علاقے میں آباد تھے، اس لیے

ان کے بہت سے افراد نے روم کی عیسائی آبادی کے زیر اثر عیسوی مذہب اختیار کرلیا تھا، بعثت کے بعد نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف ؓ کے ساتھ صحابۂ کرام ؓ کی ایک جماعت بھیج کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ جس کے نتیجہ میں قبیلہ بنوکلب کی غالب اکثریت مشرف بہ اسلام ہوگئی۔

نبی کریم ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ ؓ، جلیل القدر صحابی حضرت دحیہ ؓ بن خلیفہ، حضرت قطن ؓ بن زائر اور حضرت وائل ؓ بن حجر وغیرہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنوکلب کی دوخواتین حضرت دحیہ کلبی ؓ کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ اور ان کی بھانجی خولہ بنت ہذیل کے ساتھ حضور ﷺ نے نکاح کیا، لیکن رخصتی سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان غنی ؓ، حضرت علی ؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن ؓ اور حسین ؓ نے بھی بنو کلب کی خواتین سے نکاح کیے سیدنا حسین ؓ کی صاحب زادی سیدہ سکینہ ؒ، رباب بنت امروالقیس نامی اسی قبیلہ کی خاتون کے بطن سے تھیں۔ حضرت حسین ؓ کو اپنی ان کلبیہ بیوی اور بیٹی کے ساتھ بے حد محبت تھی جس کا اظہار آپ نے ذیل کے ان اشعار میں کیا ؎

لعمرک انني لا حب داراً　　تحل بها سكينة والرباب

’’تیری جوانی کی قسم، میں اس گھر سے محبت کرتا ہوں، جہاں سکینہ اور رباب رہتی ہیں۔

احبهما وابذل جل مالي　　وليس للائمي فيها عتاب

’’میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور ان پر اپنا مال لٹاتا ہوں اور اس میں کسی ملامت گر کو عتاب کا حق نہیں‘‘

ولست لهم وان عتبوا مطيعاً حياتي او يعليني التراب

’’میں عتاب کرنے والوں کی بات زندگی بھر نہیں مان سکتا، حتی کہ قبر کی مٹی مجھے ڈھانپ لے۔‘‘

(البدایہ والنہایہ ص/ ۲۰ ج/ ۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اکابر صحابہ اور دیگر قریشی بزرگوں کا بنوکلب کی خواتین کو ازدواجی رشتے کے لیے پسند کرنا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کی نگاہوں میں یہ قبیلہ معزز تھا۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے، جب آپ بعہد فاروقی شام کے گورنر تھے اسی قبیلہ، بنوکلب کے ایک سردار مخول بن انیف کلبی کی صاحبزادی سیدہ میسونؒ سے عقد کیا۔ سیدہ میسونؒ نہ صرف حسن وخوبصورتی عقل ودانش۔ بلکہ دینداری واعلی سیرت میں ممتاز حیثیت کی حامل تھیں۔

علامہ ابن کثیر دمشقی فرماتے ہیں:

’’وكانت حازمة عظيمة الشان جمالاً ورياسةً وعقلاً و ديناً‘‘

(البدایہ والنہایہ ص/ ۱۴۵ ج/ ۸)

’’سیدہ میسونؒ بڑی ہی محتاط حسن وصورت، ریاست وسرداری، عقل وفراست، اور دینداری میں بلند درجہ رکھتی تھیں۔‘‘

امیر یزیدؒ کی والدہ حضرت میسونؒ کے متعلق مندرجہ بالا ریمارک کے بعد، علامہ ابن کثیر ان کی دینداری اور شرعی احکام پر پابندی کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی نقل کرتے ہیں:

''ایک دن سیدنا معاویہؓ، سیدہ میسونؒ کے پاس گئے تو ان کے ساتھ ایک زنخا بھی چلا آیا۔ سیدہ میسونؒ نے اس سے پردہ کیا اور حضرت معاویہؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ یہ کون شخص ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زنخا ہے تم اس کے سامنے آسکتی ہو۔ اس پر حضرت میسونؒ نے کہا، زنخا ہونے سے جو اللہ نے حرام کیا ہے وہ حلال نہیں ہوسکتا، چنانچہ انہوں نے اس سے پردہ کیا۔''

(البدایہ والنہایہ ص/۱۴۵ ج/۸)

ولادت:

قبیلہ بنوکلب کی ان نیک طبیعت اور صالح کردار خاتون، سیدہ میسونؒ کے بطن سے ابن کثیر (ص/۱۲۵ ج/۷) کی بیان کردہ روایت کے مطابق ۲۲ھ میں، سیدنا معاویہؓ کے یہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی، اس وقت سیدنا معاویہؓ، امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظمؓ کی طرف سے شام کے گورنر تھے۔ سیدنا معاویہؓ نے نومولود بچہ کا نام اپنے بڑے بھائی فاتح شام سیدنا یزید بن سفیان کے نام پر ''یزید'' رکھا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"فتزوجها معاوية فولدت له يزيد بن معاويه فجاء نجياً ذكياً حاذقاً"

(البدایہ والنہایہ ص/۸۰ ج/۷)

''سیدنا معاویہؓ نے حضرت میسونؒ سے شادی کی۔ اور ان سے

یزید بن معاویہؓ پیدا ہوئے جو (پیدائشی طور پر) نیک طبع اور از
حد ذہین و تیز فہم تھے‘‘۔

پرورش:

امیر یزیدؒ کی ولادت سے پہلے ان کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآمد ہوا، خواب کی تعبیر یہ دی گئی کہ ان کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا، جو امارت و سیادت اور اولوالعزمی کا اعلی مرتبہ حاصل کریگا۔

(البدایہ والنہایہ ص/۲۲۷ ج/۸)

چنانچہ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو پیشانی پر ذہانت و فطانت، شرافت و ہونہاری کے آثار۔ والدہ کے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر اور خوش آئند دو روشن مستقبل کا پتہ دے رہے تھے۔ اور چونکہ آپ نے ایک شریف اور نیک بی بی کی گود میں آنکھ کھولی اور سیدنا معاویہؓ جیسے غیر معمولی خصائص و کمالات کے حامل، نیک خصال، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش پدری میں تربیت پائی، اس لیے والدین نے آپ کی تربیت و پرورش پر خصوصی توجہ دی، سپہ گری، شہسواری، تیر اندازی، شمشیر زنی، خطابت اور نسب دانی وغیرہ ان تمام علوم وفنون سے آراستہ کیا جو عربوں میں حسن و خوبی کا اعلی معیار شمار کیے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ شجاعت و سخاوت، حلم و متانت، آداب و اخلاق، تدبر و سیاست، اور اصابت رائے جیسے اوصاف جو آپ کے والد سیدنا معاویہؓ میں بدرجۂ کمال موجود تھے وہ نہ صرف **الولد سرّ لابیه** کے فطری ضابطہ سے فیاض حقیقی نے آپ کو ادا کیے۔ بلکہ السید الکریم حضرت معاویہؓ کی مشفقانہ و مربیانہ توجہ نے انہیں اتنا نکھار دیا کہ ہزار کوششوں کے باوجود، سیدنا یزیدؒ

کے دشمن انہیں مٹا نہ سکے۔

بوئے گل قید وحراست میں نہیں رک سکتی
باغباں لاکھ اٹھایا کریں دیوار چمن

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والنصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأى فى الملك فكان جمال حسن المعاشرة"

(البدایہ والنہایہ ص ۲۳۰ ج ۸)

''امیر یزیدؒ میں حلم وکرم، فصاحت وشعر گوئی اور شجاعت وبہادری جیسی قابل تعریف صفات موجود تھیں۔ آپ معاملات حکومت میں اچھی رائے رکھتے تھے نیز آپ خوبصورت اور اچھے کردار کے مالک تھے۔''

تعلیم وتربیت:

سیدنا یزیدؒ کی طالب علمی کے زمانہ میں علوم وفنون کی۔۔۔درسی کتابوں کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اس لیے اس دور کے کسی شخص کے عالم وفاضل ہونے کے لیے، موجودہ زمانہ جیسے لگے بندھے تعلیمی کورس یا خود ساختہ قسم کے درس نظامی کا سند یافتہ ہونا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ یہ لگے بندھے تعلیمی نظام تو اس وقت کی پیداور ہیں جب سرچشمۂ علم وفضل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست علم وکمال حاصل کرنے والے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گذرے صدیوں کا طویل زمانہ ہو چکا تھا۔ آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مصابیح صحابیتؓ سے بہت بعد

میں آنے والے طالبان علم کے لیے ان مروجہ تعلیمی سلسلوں کی افادیت بجا۔لیکن ''قرن اول'' کے ان خوش قسمت انسانوں کو ان بیڑیوں کا کیسے پابند کیا جا سکتا ہے، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس ومحترم شاگردوں سے بلا واسطہ فیضیاب ہونے کا شرف حاصل ہوا ہو۔

سیدنا یزیدؒ بھی انہیں نیک بخت اور خوش نصیبوں میں ہیں۔آپؒ نہ صرف یہ کہ صاحب علم وفضل سیدنا معاویہؓ کے بیٹے ہیں جن کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے **اللھم علمہ الکتاب والحساب** کہہ کر حصول علم کی دعائیں دی تھیں۔

نیز صحیح بخاری جلد دوم صفحہ/۵۳۱ کے مطابق، سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ نے **انہ فقیہ** کہہ کر جن کے علمی کمال اور دینی تفقہ کی گواہی دی بلکہ اس وقت بکثرت صحابۂ کرامؓ موجود تھے، جو حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیے ہوئے حکم **فلیبلغ الشاھد الغائب** کی تعمیل میں، لاکھوں میل میں پھیلی ہوئی اسلامی مملکت کے چپے چپے پر دین حق کی تبلیغ واشاعت میں مصروف تھے۔خوش قسمت تابعین ان شاگردان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مصاحبت ورفاقت میں رہ کر اور ان کی مجالس ومحافل میں حاضری دے کر خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے آخری اور مکمل دین کی تعلیم وتربیت حاصل کرتے تھے۔قرن اول کے یہی تعلیمی حلقے اور دینی تربیت گاہیں تھیں جن کے ذریعہ دوسرے بے شمار ہم عصر تابعین کی طرح سیدنا یزیدؒ نے بھی فیض حاصل کیا۔

سیدنا یزیدؒ کے تعلیمی عہد کی تفصیلات کے سلسلہ میں اگرچہ کتب تاریخ عموماً خاموش ہیں، تاہم تاریخ کے نام پر اکٹھا کردہ ان ہی روایاتی انبار میں دبے، چھپے ہوئے بعض ایسے قرائن، بلکہ ناقابل انکار تاریخی حقائق بھی ملتے ہیں، جن پر گروہی

طبقاتی تعصب و تصلب کی گرد سے اٹی ہوئی عینک اتار کر غور و خوض کیا جائے تو حضرت یزیدؒ کے علمی کمالات کا اندازہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔

اوّل:

سیدنا معاویہؓ قریش کے لکھے پڑھے، صاحبان علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، نیز انہیں فہم و تدبیر اور مکارم اخلاق میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے ذہین و فطین اور ہونہار بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ آپ نے عسکری و انتظامی جیسے اہم اور ضروری علوم و فنون کے ساتھ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل شدہ دینی معارف و ارشادات گرامی سکھانے پر ہی اکتفا نہ کیا۔ بلکہ امیر یزیدؒ کی اخلاقی و عملی تربیت اور دیکھ بھال پر بھرپور توجہ دی۔ لڑکپن کی معمولی، معمولی غلطیوں اور کوتاہیوں پر انہیں ڈانٹتے اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین مبارکہ سنا کر اصلاح فرماتے۔ علامہ ابن کثیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کسی خادم کو مارتے پیٹتے دیکھا تو سیدنا معاویہؓ نے فوراً تنبیہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اپنے بیٹے یزیدؒ کو سنائی، جس میں کسی ایسے ہی موقع پر آپ نے حضرت ابو مسعودؓ سے فرمایا تھا:

"اعلم ان الله اقدر عليك منك عليه"

''خبردار اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جو تجھے اس خادم پر حاصل ہے''

ارشاد نبوی سنا کر بیٹے سے فرمایا کہ:

''تیرا برا ہو! کیا تو ایسے شخص کو مارتا ہے، جو تیرے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا؟۔ قسم بخدا جن میں بدلہ لینے کی قدرت نہ ہو

انہیں معاف کر دینا اور ان کی غلطیوں پر چشم پوشی کر لینا ہی بہتر اور مناسب ہے''

(البدایہ والنہایہ ص/ ۲۲۷ ج ۸)

ثانی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات خلفائے راشدین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اور سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ منورہ مسلمانوں کا دارالخلافہ تھا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد عجمی مفسدین و سبائی قاتلین کے زور پر قائم شدہ حکمرانی کے شروع ہی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجبوری یا درپیش سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دارالہجرت کو چھوڑ کر عراق کے مشہور شہر کوفہ کو اپنا دارالحکومت قرار دے لیا، جس کے نتیجہ میں مدینہ منورہ کی مرکزی حیثیت کو ایسا شدید، ناقابل تلافی دھچکا پہنچا کہ اس کے بعد آج تک مدینۃ الرسول کی اولین پوزیشن بحال نہ ہو سکی۔

رمضان سن ۴۰ ہجری میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی ہی سیاسی پارٹی کے ایک اہم اور معتمد ترین رکن عبدالرحمن بن ملجم کے ہاتھوں اسی عجمی دارالحکومت کوفہ میں شہید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افسوسناک شہادت کے تقریباً چھ ماہ بعد، عجمی مفسدین اور سبائی ملحدین کی پیدا کردہ پیچیدگیوں اور الجھنوں میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی بحالی و استحکام کے پیش نظر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے زیر تصرف علاقوں کی حکمرانی سے دست بردار ہو کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر امامت و خلافت کی بیعت کر لی۔ اس طرح ۲۱/ ربیع الاول سن ۴۱ ہجری سے شام کے مشہور شہر دمشق کو متفقہ دارالخلافہ کی حیثیت

حاصل ہوئی۔

اگرچہ شام جیسے اہم اسلامی صوبہ اور اس کے صوبائی دار الامارۃ دمشق میں اکابر صحابہؓ پہلے بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ لیکن اب جب کہ دمشق کا تاریخی شہر اسلامی خلافت کا مرکزی و وفاقی دار الخلافہ بن گیا، تو پیشتر ازیں مستقل سکونت رکھنے والے صحابہ کرامؓ کے علاوہ ہر ہر علاقے سے اکابر صحابہؓ اور دیگر اساطین علم وفضل کی آمد ورفت کا وسیع سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس وقت سیدنا یزیدؒ کی عمر انیس برس کی تھی۔

سیدنا ابوایوب انصاریؓ، سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمروؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ، سیدنا عقیل بن عبد منافؓ، وغیرہ بے شمار حضرات صحابہؓ حجاز اور دوسرے علاقوں سے دمشق تشریف لاتے۔ عموماً ان کا قیام امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے یہاں رہتا۔ اس لیے سیدنا یزیدؒ کو ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنے اور ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے بیش قیمت مواقع میسر رہتے تھے۔ ایام طالب علمی میں سیدنا یزیدؒ جیسے فہیم وذکی، نوجوان طالب علم کے لیے صحابہ کرامؓ کا یوں دور ونزدیک سے ان کے یہاں آکر مقیم رہنا، اور پھر سیدنا یزیدؒ کا ان حضرات کی محافل ومجالس میں مسلسل حاضر رہ کر ان کے دینی مذاکرات سے شادکام ہونا۔ سعید بن سعید، سیدنا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما کے ''دستار سعادت'' کا وہ درخشندہ ہیرہ ہے، جس کی لازوال اور چمکدار شعاعیں رہتی دنیا تک ان کی عظمتوں اور سعادتوں کا پتہ دیتی رہیں گی۔ **ولکن المنافقین لا یفقھون**

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

ثالث:

سیدنا معاویہؓ کے علاوہ جن حضرات سے امیر یزیدؒ نے علم حاصل کیا ان میں حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانیؓ بھی ہیں۔ یہ نبی ﷺ کے صحابی اور بڑے پائے کے عالم تھے۔علم الانساب کے ماہر ہونے کی وجہ سے انہیں عموماً وغفل النسّابہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

"له صحبة وقال نوح بن حبيب الفرمسى فيمن نزل البصرة من الصحابة وغفل النسابة"

(الاصابہ ص ر ۵۷۴ ج)

''انہیں صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔نوح بن حبیب الفرمسی نے کہا بصرہ میں مقیم صحابۂ کرام میں وغفل النسابہؓ بھی شامل ہیں''

حضرت وغفلؓ بصرے سے دمشق تشریف لائے تو سیدنا معاویہؓ نے ان کے علمی کمالات کی وجہ سے انہیں دمشق ہی میں روک لیا، تاکہ امیر یزیدؒ کے پاس رہ کر انہیں اپنے علم وفضل سے مستفیض فرمائیں۔(الاصابہ)

اس طرح ان عالم فاضل، نساب اور صحابی رسول کی شاگردی وتربیت سے سیدنا یزیدؒ کو بھرپور استفادے کا موقع ملا۔

رابع:

دمشق میں مستقل سکونت رکھنے والے صحابۂ کرامؓ میں سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہؓ بھی ہیں، جنہوں نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت ہی میں مدینہ منورہ سے آکر دمشق میں رہائش اختیار فرمالی تھی۔

آپ سیدنا یزیدؒ کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ادھر امیر یزید کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان قریبی عزیز اور قابل احترام صحابی بن صحابی کے ساتھ اس قدر مخلصانہ اور پائدار مصاحبت و رفاقت حاصل تھی کہ وفات کے وقت انہوں نے سیدنا یزیدؒ ہی کو اپنا وصی اور وارث بنایا۔ علامہ ابن کثیر کی عبارت ملاحظہ ہو:

"عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب بن هاشم صحابي انتقل الىٰ دمشق وله بها دار ولما مات اوصىٰ الىٰ يزيد بن معاوية وهو امير المؤ منين"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۲۱۳)

''سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہؓ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی تھے۔ (مدینہ سے) دمشق منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں ان کا گھر بار بھی تھا۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کو انہوں نے (اپنے تمام معاملات کا) وصی اور وارث بنایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ سیدنا یزیدؒ امیر المؤمنین تھے۔''

قدیم مؤرخ علامہ محمد بن سعدؒ نقل فرماتے ہیں :۔

''عبد المطلب بن ربیعہ، عمرؓ بن خطاب کے زمانے تک مدینہ میں رہے، اس کے بعد وہ دمشق میں منتقل ہو گئے، وہیں اترے اور ایک مکان بنالیا۔ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہم) کی خلافت کا زمانہ تھا کہ دمشق میں ان کی وفات ہوئی، انہوں نے یزید بن معاویہ کو وصیت کی، اس نے وصیت قبول کی''۔

(طبقات ابن سعد اردو ص ۲۵۱ ج ۴)

خامس:

سن ۴۹ھ، سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے عہد میں، روم کے مشہور شہر قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کے دوران دیگر کبار و صغار صحابہ کرامؓ کے علاوہ اسّی سالہ ضعیف العمر صحابی، میزبان رسول سیدنا ابو ایوب انصاریؓ بھی لشکر میں شریک تھے۔ رومی دارالحکومت قسطنطنیہ پر پہلی مرتبہ حملہ کرنے والا یہی وہ اسلامی لشکر ہے جس کے تمام شرکاء کو نبی صادق صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے مغفرت یافتہ قرار دیا تھا۔ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس جنتی اور بخشے ہوئے لشکر کی امارت کے فرائض امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے صاحب زادے سیدنا یزیدؒ نے انجام دیے، اس لیے لامحالہ انہیں لشکر میں شریک دوسرے تمام صحابہ و اکابر بالخصوص سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کے ساتھ کئی مہینہ رفاقت و معیت حاصل رہی۔

اس دوران آپ نے نہ صرف یہ کہ اعلی کارکردگی کے ساتھ امیر لشکر کے فرائض انجام دیے بلکہ سیدنا ابوایوب انصاریؓ کے حضور اس درجہ قرب و اعتماد حاصل کر لیا کہ جب اسی جہاد میں ان کا وصال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے معاملات کا وصی سیدنا یزیدؒ ہی کو مقرر کیا۔

"وکان فی جیش یزید بن معاویة ولیه اوصیٰ وھو الذی صلی علیه"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۵۸)

''وہ (یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ) امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے آپ نے اپنے معاملات کی وصیت بھی انہیں کو کی اور انہوں نے ہی ان کے جنازے کی نماز پڑھائی''۔

جہاد قسطنطنیہ اور بشارت مغفرت کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو تو آگے آرہی ہے۔ یہاں صرف، مشتے از خروارے، یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالی نے ''شاگردان نبوت'' سے براہ راست علم وفضل حاصل کرنے کے بیش بہا مواقع عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہؓ کے خوش نصیب بیٹے سیدنا یزیدؒ نے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سادس:

سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد، جب سیدنا عبداللہ بن عباسؓ دمشق تشریف

لائے تو حضرت یزیدؒ ان کی خدمت میں تعزیت کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بڑی والہانہ شفقت وعظمت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ اس موقع پر سیدنا یزیدؒ نے حضرت حسنؓ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:۔

"رحم الله ابامحمد اوسع الرحمة وافسحها واعظم الله اجرك واحسن عزاك وعوضك من مصابك ماهوخيرلك ثواباً وخير عقبیٰ"

(البدایہ والنہایہ ج ۸/ ص ۲۲۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور محترم صحابی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا یزیدؒ کی زبان سے جھڑتے ہوئے پھولوں کی طرح ان مختصر لیکن بے حد فصیح وبلیغ اور جامع تعزیتی کلمات کو سن کر ان کی علمی قابلیت اور خطیبانہ مہارت سے اس درجہ متأثر ہوئے کہ ان کے چلے جانے کے بعد فرمانے لگے:۔

"إذ ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص/ ۲۲۹)

''بنوحرب (یعنی حضرت یزیدؒ کے دادا کی اولاد) اٹھ جائیں تو لوگوں کے علماء اٹھ جائیں گے''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے ہاشمی بزرگ کے یہ کلمات تحسین، سیدنا یزیدؒ کی علمی قابلیت کا ناقابل انکار اعتراف ہی نہیں، بلکہ ان کے ہمعصر اہل علم وفضل حضرات کی وہ نمائندہ شہادت بھی ہے، جس کے سامنے بعد میں آنے والوں کی تمام واہی، تباہی باتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

روایت حدیث:

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

"خیرالناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم"

(بخاری ص/ ۳۶۲ ج/ ۱ و مسلم ص/ ۳۰۹ ج/ ۲)

''سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں۔ پھر ان کے بعد والے، اور پھر ان کے بعد والے''۔

زراہ بن اوفیٰ کہتے ہیں:

"القرن عشرون مائۃ سنۃ فبعث رسول اللہ فی قرن وکان آخرہ موت یزید بن معاویۃ"

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص/ ۲۹۰، البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۲۲۹)

''قرن' ایک سوبیس برس کا ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قرن میں مبعوث ہوئے وہ امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کی وفات پر پورا ہوتا ہے''۔

علامہ ابن کثیر کا بیان ہے:

"وقد ذکرہ ابوزرعۃ الدمشقی فی الطبقۃ التی تلی الصحابۃ وھی العلیا وقال لہ احادیث"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۲۲۷)

''محدث ابوزرعہ دمشقیؒ نے امیر یزیدؒ کا تذکرہ (راویان حدیث کے) اس طبقہ میں کیا ہے، جو حضرات صحابہ کرامؓ سے متصل ہی آئے ہیں۔ یہ ایک بلند مقام ہے۔ انہوں نے کہا کہ امیر یزیدؒ سے بہت سی احادیث بھی مروی ہیں''۔

علامہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"وھذا احمد بن حنبل علی تقشفه وعظیم منزلته فی الدین وورعه قد ادخل عن یزید بن معاویة فی کتاب الزهد وهٰذا یدل علی عظیم منزلته عنده حتیٰ یدخله فی جملة الزهاد من الصحابة والتابعین الذین یقتدیٰ بقولهم ویرعوی من وعظهم ونعم وما ادخله إلا فی جملة الصحابة قبل ان یخرج الیٰ ذکر التابعین"

(العواصم من القواصم ص/ ۲۳۲، ۲۳۳)

''اور یہ امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔ ان کا دین اور پرہیزگاری میں بڑا بلند مقام ہے، اور حدیث قبول کرنے میں بڑی تنقید کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''الزہد'' میں یزیدؒ بن معاویہؓ کی روایت نقل کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یزیدؒ کا مقام، امام احمد بن حنبلؒ کی نگاہ میں بہت بلند تھا، یہاں تک کہ انہیں کو آپ نے ان زاہد صحابہ اور تابعین میں شمار کیا جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے۔ جن کے وعظ سے گناہ چھوڑتے ہیں، ہاں

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام احمدؒ نے یزیدؒ کو صحابہ میں درج کیا ہے اور پھر اس کے بعد تابعین کا تذکرہ کیا ہے''۔

(العواصم من القواصم اردو ص/۳۷۱)

معلوم ہوا کہ سیدنا یزیدؒ صاحب روایت تابعی ہی نہیں، جنہیں محدثین اور اکابر امت نے صحابۂ کرامؓ کے متصل طبقہ میں دوسرے تمام تابعین سے مقدم ذکر کیا ہے، بلکہ آپ کا شمار قرن اول کے ان باعظمت بزرگوں میں ہے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کا بہترین حصہ ارشاد فرمایا ہے۔

سیدنا یزیدؒ اپنے والد سیدنا معاویہؓ کی سند سے روایت کرتے ہیں:

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من يرد الله به خيراً يفقهه فى الدين"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص/۲۲۶)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے''۔

نیز سیدنا یزیدؒ، حضرت ابوایوب انصاریؓ کی سند سے جناب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک روایت کرتے ہیں:۔

"من مات لا يشرك بالله شيأً جعله الله فى الجنة"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۵۹، طبقات ابن سعد)

''جو شخص اس حال میں فوت ہوگا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔ تو اسے اللہ جنت میں داخل کریگا''۔

سیدنا یزیدؒ نے اپنے والد بزرگوار سیدنا معاویہؓ، میزبان رسول سیدنا ابو

ایوب انصاریؓ اور دوسرے کئی صحابہ کرام سے احادیث کا سرسری علم حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ گہری نظر اور انہماک کے ساتھ ارشاد نبویہ کا مطالعہ فرماتے تھے، جس کے نتیجہ میں آپ کو علم حدیث میں غیر معمولی بصیرت حاصل تھی۔ ابن کثیرؒ نے آپ کی ایام طالب علمی کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ:

''امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے اپنے صاحب زادے سیدنا یزیدؒ سے فرمایا کہ اپنی ضرورت کا مجھ سے سوال کرو۔ اس پر امیر یزیدؒ نے کہا کہ مجھے آگ سے بچا لیجیے اللہ آپ کو اس سے محفوظ رکھے۔ حضرت معاویہؓ نے معلوم کیا وہ کیونکر؟۔۔۔ امیر یزیدؒ نے جواباً کہا کہ میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس شخص کو امت کا امر خلافت تین روز کے لیے بھی سپرد کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام فرما دیں گے''۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸/ ص ۲۲۷)

خطابت:

خطابت قریش کا طرۂ امتیاز تھا، جسے وہ اپنے علاوہ باقی دوسری قوموں کے مقابلہ میں فخریہ پیش کیا کرتے تھے۔ اسی خطابت اور اظہار بیان کی اعلیٰ صلاحیت ومہارت کی وجہ سے وہ اپنے سوا دوسروں کو ''عجمی'' یعنی گونگے کہا کرتے تھے۔ یوں تو عربوں میں بے شمار خطیب ہوئے، جن کے حالات اور فنی کارنامے عربی ادب وتاریخ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ اور ان کے صاحب زادے سیدنا یزیدؒ 'خطبائے اسلام' کی صف میں سب سے اول شمار

کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور تابعی بزرگ حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں:۔

"خطباء الناس فی الاسلام معاویة وابنه وسعید ابن العاص وابنه وعبدالله بن الزبیر"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۳۱۱،۳۳۵)

''اسلام میں سب سے بڑے خطباء یہ ہیں۔حضرت معاویہؓ اوران کے بیٹے ،حضرت سعیدؓ بن العاص اوران کے بیٹے ، نیز حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ''

مشہور شیعہ عالم، علامہ ابن ابی الحدید، شارح ''نہج البلاغہ'' لکھتے ہیں:

"کان یزید بن معاویة خطیباً، شاعراً، وکان اعرابی اللسان بدوی اللهجة"

(شرح ابن ابی الحدید ج/۲ ص/۸۲۴)

''یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھے، ان کی زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا''۔

عربی ادب اور عربی فن خطابت کے رموز شناس اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ "اعرابی اللسان اور بدوی اللهجة" دو ایسے اوصاف ہیں جنہیں عربی زبان کی چاشنی میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔جس عربی خطیب میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے ،اسے مغنی اور گویا کہا جا سکتا ہے،خطیب نہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

چونکہ حضرت معاویہؓ جیسے اعلیٰ درجہ کے خطیب ، صاحب علم وفضل صحابی، اور عہد نبوی کے ممتاز کاتب قرآن ۔ سیدنا یزیدؒ کے والد تھے۔جن کی تربیت میں

آپ نے قرآن وسنت کا علم سیکھا، اور جن کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہ کر آپ نے خطیبانہ کمال حاصل کیا، اس لیے آپ کی خطابت ۔۔۔ نہ صرف یہ کہ، خطیبانہ کمال کی حامل تھی، بلکہ زہد وتقویٰ اور نیکی وفکر آخرت کا وہ رنگ بھی لیے ہوئے تھی جو قرن اول کے عابد وزاہد تابعی اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یافتہ شاگرد کی شان سے مطابقت رکھتی ہے۔ اگرچہ کتب تاریخ میں آپ کی زندگی کے اس پہلو پر بھی بڑے بے رحمی وستم ظریفی روا رکھی گئی، تاہم اغیار واشرار کی دستبرد اور اپنوں کی نادانی ولاپرواہی کے باوجود آپ کی جو تقاریر وخطبات تاریخ کے سینہ میں محفوظ رہ گئے ہیں، انہیں دیکھ کر سیدنا یزیدؒ کی شخصیت وکردار کے حقیقی نقوش کا کھوج لگایا جاسکتا ہے۔ **واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم** علامہ شہاب الدین، المعروف بہ ابن عبدربہؒ، سیدنا یزیدؒ کا ایک خطبہ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ:۔

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میں اسی کی حمد کرتا ہوں۔ اور اسی سے مدد کا طالب ہوں، اسی پر ایمان لایا اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں، ہم اپنے نفسوں کی شرانگیزی وبداعمالی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور بیشک جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اپنی وحی کے لیے اللہ نے انہیں منتخب کیا۔ اور اپنی کتاب رسالت اور فضل کے لیے انہیں پسند کیا، انہیں عزت وتکریم سے نوازا، ان کی نصرت وحفاظت فرمائی، قرآن میں مثالیں بیان فرمائیں، حلال وحرام

کو واضح کیا، دین کی تفصیلات بیان کیں، تا کہ لوگوں کو ان پیغامات کے بعد کوئی عذر نہ رہے، اور اطاعت شعار قوم تک یہ کتاب پہنچے۔ اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اس اللہ بزرگ و برتر کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے معاملات کی ابتداء فرمائی اور اسی طرف لوٹنا اور انجام کو پہنچنا ہے۔ میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں دنیا بظاہر شیریں اور سرسبز ہے۔ خواہشات سے بھری ہے۔ تھوڑے پر بس نہیں کرتی، فانی چیزوں سے انس رکھتی ہے، جلد بازی سے محبت کرتی ہے۔ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں۔ اس کے حوادث سے امن نہیں۔ دنیا موذی، ڈائن اور فریبی ہے۔ اسے ایک حال پر قرار نہیں، رغبت رکھنے والوں کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتی اور نہ ہی ان سے راضی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيماً تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِراً"

(الکہف: ۴۵)

ترجمہ:۔ ''اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کے حالات بیان کیجیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو، پھر اس کے ذریعہ زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو۔ پھر وہ

ریزہ ریزہ ہوجائے کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھریں اور اللہ ہر
چیز پر پوری قدرت والا ہے۔''
ہم اپنے رب معبود، خالق و پروردگار سے التجا کرتے ہیں کہ وہ
ہم سب کو قیامت کے دن پریشانی سے محفوظ رکھے (اے
لوگو!) اچھی بات اور بہترین نصیحت اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ
تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ"

(اعراف:۹)

''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش
رہو۔تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''
اس کے بعد سیدنا یزیدؒ نے سورہ توبہ کی آیات کی تلاوت وتفسیر
بیان کرتے ہوئے لوگوں کو نصیحتیں کیں۔
(العقد الفرید ج/۲ ص/۳۷۸ طبع مصر)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے شاگرد علامہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کی ''کتاب الزہد'' کے حوالہ سے سیدنا یزیدؒ کی تقریر سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"إذا مرض أحدکم مرضاً فأشفی ثم تماثل فلینظر الی أفضل عمل عنده فلیلزمه ولینظر إلی اسوأ عمل عنده فلیدعه"

(العواصم من القواصم اردو ص ر ۲۳۳)

''جب تم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوکر قریب مرگ ہوجائے اور پھر تندرست ہوجائے تو وہ غور کرے، اس کا جو افضل ترین عمل ہواس کو لازم پکڑ لے اور اپنے بدترین عمل کو دیکھے تو اسے چھوڑ دے''۔

(العواصم من القواصم اردو ص ر ۳۷۱)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سیدنا یزیدؒ اپنے والد ماجد سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد، امیر المؤمنین کی حیثیت سے پہلا خطبہ دے کر فارغ ہوئے تو اجتماع میں موجود صحابہ اور ہمعصر تابعین کی پسندیدگی کا یہ عالم تھا:

"فافترق الناس عنه وهم لا يفضلون عليه أحداً"

(البدایہ والنہایہ ج ر ۷ ص ر ۹۱۳۴)

''لوگ تقریر سن کر ان کے پاس سے گئے تو ان کا حال یہ تھا کہ وہ سیدنا یزیدؒ پر کسی دوسرے آدمی کو فضیلت نہیں دیتے تھے''۔

اسلامی خلافت کے مرکزی شہر 'دمشق' میں اس عظیم اجتماع کے موقع پر سیدنا یزیدؒ کے ساتھ عوام وخواص کی جانب سے پسندیدگی وعقیدت کا یہ اظہار، صرف اس لیے نہ تھا کہ حلم وعدل کے پیکر سیدنا معاویہؓ کی ابدی جدائی پر الم انگیز تقریر کے الفاظ نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ بلکہ اعتماد ومحبت کا مظاہرہ کرنے والے یہ حضرات صحابہ اور تابعین کرام تھے جنہوں نے بچپن سے لیکر جوانی کی موجودہ منزل تک امیر یزیدؒ کے شب وروز کا براہ راست مشاہدہ کیا تھا، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دینی ماحول میں ہوش سنبھالنے والا یہ باصلاحیت اور صاحب کردار

نوجوان مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قیادت وامامت کی زمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔ انہیں سیدنا یزیدؒ کی شخصیت میں ایک ایسے قائد وخلیفہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی جو فاروقی عزم وارادہ کے ساتھ متعدد مرتبہ قائدانہ صلاحیت کے وہ غیرفانی نقوش ثبت کر چکا تھا، جن کی یاد اور جذبۂ تشکر نے چھوٹے بڑے تمام ہم عصر افراد کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سیدنا یزیدؒ کی خدمت میں عقیدت ومحبت اور اعتماد کا یہ بے مثال نذرانہ پیش کریں کہ "لا یفضلون علیه احداً"۔

فاروقی نقش قدم:

ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے امیر یزیدؒ سے دریافت کیا کہ اگر تمہیں خلافت وحکمرانی دے دی جائے تو اسے کس طرح چلاؤ گے؟ سیدنا یزیدؒ نے جواب میں عرض کیا:۔

"کنت واللہ یا ابته عاملاً فیهم عمل عمر بن الخطاب فقال معاویة: سبحان اللہ یابنی واللہ لقد جهدت علی سیرة عثمان بن عفان فما اطقتهم و کیف بك وسیرة عمر؟"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۲۲۹)

"قسم بخدا۔ اے ابا جان میں ان میں سیدنا عمر بن الخطابؓ کے طریقہ پر عمل کروں گا۔ حضرت معاویہؓ نے کہا! سبحان اللہ اے بیٹے! بخدا میں نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کی سیرت کو اپنا

نا چاہا لیکن نہ کر سکا، پھر کہاں تم اور کہاں سیرت عمرؓ کی پیروی۔''

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا یزیدؒ نے خلیفۂ عادل امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کی سیرت وسوانح اور راشدانہ کردار وطریقۂ کار کا گہری نظروں سے مطالعہ ہی نہ کیا تھا، بلکہ سیدنا فاروق اعظم کی شخصیت اور نقوش قدم ہی کو آپ نے اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کا آئیڈیل ومعیار قرار دیا تھا۔ فاتح روم وایران سیدنا فاروق اعظمؓ کے ساتھ آپ کی یہ وابستگی اور والہانہ عقیدت ہی غالباً اس بات کا سبب بنی کہ روایات ساز عجمی عناصر نے آپ کے خلاف من گھڑت روایات وحکایات کا اتنا انبار لگا دیا جس میں آپ کی شخصیت کے حقیقی محاسن اور سچے نقوش تقریباً گم ہو کر رہ گئے۔ تاہم روایت ودرایت کے معروف ضابطوں اور ہمعصر بزگوں کے فیصلوں کو پیش نظر رکھ کر، حق وانصاف سے غور وفکر کیا جائے تو سیدنا یزیدؒ کی شخصیت اور اس کے حقیقی خدوخال کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

یتیموں سے ہمدردی:

سیدنا یزیدؒ اگرچہ ایک حیثیت دار گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ جب آنکھ کھولی تو آپ کے والد شام جیسے صوبہ کے گورنر تھے۔ اور جب ہوش سنبھالا تو ساٹھ لاکھ مربع میل سے بھی زائد رقبہ پر پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت کے با اختیار خلیفہ تھے۔ لیکن، اول تو آپ کے والد سیدنا معاویہؓ جیسے حلیم وکریم، صحابی کی پرورش۔ دوسرے کئی اہل علم وفضل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت۔ اور پھر قرن اول کے دینی ماحول کا اثر۔ ان سب پر مستزاد آپ کا اپنے لیے ''فاروقی نقش قدم'' کو معیار

زندگی قرار دیے لینا وغیرہ۔ یہ تھے وہ اسباب وعوامل جن کی بدولت سیدنا یزیدؒ میں حلم وکرم، غریب پروری اور انسانی ہمدردی جیسے اعلی اوصاف کا پیدا ہوجانا لازمی تھا۔ چنانچہ سیدنا یزیدؒ کو نوعمری ہی سے غریبوں اور یتیموں کی خدمت کا اس قدر شوق وانہماک تھا کہ ان کی خبر گیری و پرورش پر اپنا جیب خرچ تک صرف فرما دیتے۔ ان کی بہتری کے لیے ہر آن کوشاں رہتے۔ ایک مرتبہ آپ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے قبیلہ بنوعدی اور بعض دوسرے قبائل کے غریبوں اور یتیموں کی پرورش اور وظائف کے سلسلہ میں امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ سے گفتگو کی، حضرت معاویہؓ نے ان سے دریافت کیا:

"مالك ولإ يتام بن عدى؟ فقال لأ نهم حالفونى وانتقلوا إلىٰ دارى فقال معاوية قد فعلت ذٰلك كله وقبل وجهه"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۲۲۷)

''بنوعدی کے یتیموں سے تمہیں کیا تعلق؟ امیر یزیدؒ نے جواب دیا کہ انہوں نے مجھے اپنا حلیف بنالیا ہے اور وہ میرے گھر منتقل ہوگئے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا یہ سب کچھ منظور ہے۔ اس کے بعد آپ نے امیر یزیدؒ کی پیشانی پر بوسہ دیا''۔

حلم وکرم:

انتقام اور بدلہ لینے کی طاقت اور اختیار کے باوجود غلطی کے مرتکب کو

معاف کر دینا ''حلم'' کہلاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اگر کسی شخص میں اپنے مقابل سے بدلہ لینے کی سکت ہی نہیں، اس لیے وہ خاموشی اور درگذر اختیار کر لیتا ہے تو اسے حلم نہیں مجبوری و کمزوری سے تعبیر کیا جائے گا۔ سیدنا معاویہ سن ۱۸ ہجری سے ۴۱ ہجری تک صوبہ شام کے با اختیار گورنر رہے اور سن ۴۱ ہجری سے اپنی وفات سن ۶۰ ہجری تک آپ کو پورے عالم اسلام کے متفقہ خلیفہ کی حیثیت حاصل رہی۔ گویا چالیس برس تک آپ اس قوت وشوکت کے مالک رہے، جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی۔ بایں ہمہ سیدنا امیر المؤمنین معاویہ کا ''حلم وعفو'' ان کے ہمعصروں میں ضرب المثل تھا۔ بعض لوگ شوریدہ سری سے آپ پر گستاخانہ جسارت کر گزرتے تو آپ مسکرا کر ٹال دیتے۔ اور بعض افراد نسلی برتری وتفوق کے غیر صالح جذبہ سے آپ کے ساتھ سخت کلامی و بے ادبی کے مرتکب ہوتے تو آپ تحمل مزاجی اور عفو وکرم کا برتاؤ کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی علمی تفسیر وتعبیر پیش فرمایا کرتے تھے:۔

"معاوية أحلم امتي وأجودها"

(حماۃ الاسلام ج ۱/ص/ ۱۶۵)

''یعنی میری امت میں سب سے زیادہ حلم اور جود وسخا کے حامل معاویہ ہیں''۔

چھٹی صدی ہجری کے شیعہ مورخ محمد بن علی بن طباطبا المعروف بہ ابن

طقطقی لکھتے ہیں کہ:

’’معاویہ رضی اللہ عنہ دنیوی معاملات میں بہت ہی دانا تھے، فرزانہ وعالم تھے، حلیم اور باجبروت فرماں روا تھے، سیاست میں کمال حاصل تھا، اور دنیاوی معاملات کو سلجھانے کی اعلی استعداد رکھتے تھے، دانا تھے، فصیح اور بلیغ تھے حلم کے موقع پر حلم اور سختی کے موقع پر سختی بھی کرتے تھے لیکن حلم بہت غالب تھا۔ مال خوب دیتے تھے‘‘۔

(الفخری، اردو ص ر ۱۲۹)

ان ہی شیعہ مؤرخ نے سیدنا معاویہؓ کے حلم وکرم پر مندرجہ بالا رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ واقعہ بھی درج کیا ہے:

’’ایک بار انہوں نے ایک انصاری کے پاس پانچ سو دینار بھیجے۔ انصاری نے اسے بہت کم خیال کیا اور اپنے فرزند سے کہا کہ: یہ رقم لے جاؤ اور معاویہؓ کے منہ پر مار کر واپس کردو۔ پھر اس سے قسم دے کر کہا کہ جیسا میں نے بتایا ہے اسی طرح کرے۔ وہ رقم لے کر معاویہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ: اے امیر المؤمنین! میرے والد گرم مزاج اور جلد باز ہیں انہوں نے قسم دے کر ایسا حکم دیا ہے اور میں ان کے خلاف جانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ سن کر معاویہؓ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا: اور کہا کہ تمہارے والد نے جو کچھ حکم دیا ہے اسے پورا کرلو مگر اپنے چچا کے (یعنی میرے) ساتھ نرمی ملحوظ رکھو، (یعنی

زور سے نہ مارو صرف قسم پوری کرلو) وہ صاحب زادے شرما گئے اور رقم ڈال دی۔ معاویہؓ نے رقم دگنی کر کے انصاری کو بھجوادی۔ ان کے لڑکے یزیدؒ کو جب خبر ہوئی تو غصے میں اپنے والد کے پاس آئے اور کہا آپ حلم میں مبالغے سے کام لینے لگے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ لوگ اسے آپ کی کمزوری اور بزدلی پر محمول کرنے لگیں گے۔

انہوں نے جواب دیا! کہ بیٹے حلم میں نہ کوئی ندامت کی بات ہے نہ برائی کی۔تم اپنا کام کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

(الفخری ص/ ۱۳۰)

مشہور شیعہ مورّخ محمد بن جریر طبری نے حضرت معاویہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''بندہ کو جو نعمتیں عطا ہوئی ہیں عقل وحلم ان میں سے افضل ہے کہ جب اس کی تعریف کی جائے تو وہ بھی ذکر خیر کرے، جب اسے عطا کیا جائے تو وہ شکر گذار ہو، جب مصیبت پڑے تو صبر کرے، غصہ آجائے تو ضبط کرے، قابو پائے تو بخش دے، خطا کرے تو بخشوالے، وعدہ کرے تو اسے پورا کرے''۔

(تاریخ طبری اردو ج ۵ ص/ ۱۷۳)

سیدنا یزیدؒ کی زندگی، سیدنا معاویہؓ کے اسی حلم وکرم کا مظہر تھی۔آپ نے والد محترم کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی کو ایک سعادت منداور فرمانبردار بیٹے کی طرح

پوری زندگی دستور العمل کے طور پر اپنائے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا یزیدؒ کی زندگی میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں کہ آپ نے گستاخ و بے ادب اور شوریدگی کے مرتکب لوگوں کے ساتھ حلم وکرم کا وہی برتاؤ کیا۔ جو ایسے موقعوں پر السید الکریم حضرت معاویہؓ اختیار فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن حسان نامی شاعر ایک مرتبہ حضرت یزیدؒ کے پاس آئے، لیکن کسی وجہ سے ان کی توقع کے مطابق خاطر و مدارات نہ ہوسکی۔ جس پر ناخوش ہوکر انہوں نے امیر یزیدؒ کی ہجو اور مذمت میں اشعار کہے۔ آپ کے قریبی دوستوں نے ان کے قتل پر زور دیا اور کہا کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے حلیمانہ برتاؤ نے لوگوں کو آپ پر بہت جری اور گستاخ کر دیا ہے۔ سیدنا یزیدؒ نے ان سے کہا:

"جفوناہ حرمناہ فاستحققنا ذلك منه فبعث اليه ثلاثين الف درهم ... فمدحه"

(انساب الاشراف بلاذری ج/۶ ص/۱۱)

''ہم نے (ان کی خواہش برابر انعام و اکرام نہ دے کر) ان سے خشکی برتی تھی۔ اس لیے ہمیں یہ برائی سننی پڑی۔ اس کے بعد آپ نے ان شاعر کے پاس تیس ہزار درہم بھیج دیے، تو انہوں نے آپ کی مدح کی''۔

سخاوت:

حلم وعفو کی طرح سخاوت کو بھی حضرت یزیدؒ کے والدمکرم کی زندگی میں

ایک خصوصی درجہ حاصل تھا۔ جس سے نہ صرف اہل شام بلکہ لاکھوں میل پر قائم، اسلامی ریاست کے تمام باشندے سیرابی حاصل کرتے تھے۔ آپ کے یہاں دور ونزدیک سے آئے ہوئے مہمانوں کا ہر وقت اژدحام رہتا تھا دور کے مہمان مہینوں قیام کرتے اور واپسی پر آپ کی میزبانی اور سخاوت کے گن گاتے ہوئے اپنے علاقوں کی طرف لوٹتے تھے۔

سیدنا علیؓ کے دونوں صاحبزادوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو جس شفقت ومحبت کے ساتھ سالانہ وظائف ہی نہیں، دیگر عطیات وتحائف دیتے رہے، وہ آپ کی سخاوت کا منہ بولتا تاریخی ثبوت ہیں۔

"فلما استقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع أخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكراماً زائداً ويقول لهما مرحباً واهلاً ويعطيهما عطاءً جزيلاً وقد اطلق لهما في يوم واحد مائتي الفٍ"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۵۰)

''جب سیدنا معاویہؓ کی خلافت قائم ہوگئی تو حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بے حد عزت وتکریم کرتے اور انہیں خوش آمدید کہتے اور عطیات دیتے ایک ہی دن میں ان کو دولاکھ درہم عطا کیے''۔

"قدم الحسن بن علي على معاوية فقال له: لأجيزنك

بجائزة لم يجزها أحد كان قبلي فاعطاه أربعمائه ألف ألف ووفد إليه الحسن والحسين فاجاز لهما على الفوز بمأتي ألفٍ"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص/ ۱۳۷)

''ایک مرتبہ حضرت حسنؓ بن علیؓ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے تو انہوں نے ان سے کہا کہ میں تمہیں ایسا گراں قدر وظیفہ دوں گا جو مجھ سے پہلے کسی نے نہ دیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت حسنؓ کو چالیس کروڑ درہم دیے اسی طرح کسی اور موقع پر حضرات حسن و حسینؓ ان کے پاس گئے تو انہوں نے ان دونوں کو فی الفور دو لاکھ درہم عنایت کیے''۔

"ولما توفي الحسن كان الحسين يفد الى معاوية فى كل عام فيعطيه فيكرمه"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۱۵۱)

''جب سیدنا حسنؓ کا انتقال ہو گیا، تو حضرت حسینؓ ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ انہیں عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے تھے''۔

معلوم ہوا کہ سیدنا معاویہؓ یوں تو تمام ہی لوگوں پر شفیق و مہربان تھے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے ساتھ آپ نے زندگی بھر جس دریا دلی و فیاضی کا سلوک کیا وہ صلہ رحمی و عشق نبوی کا اعلیٰ مظہر ہے، جہاں آپ پوری ہمعصر امت میں ممتاز حیثیت کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ یہی نہیں کہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا اور

حسینؓ ہر سال آپ کے پاس دمشق تشریف لاتے اور آپ کا بے حد وحساب اعزاز واکرام کیا کرتے تھے۔ بلکہ ابن کثیرؒ (ص/ ۲۳۰ ج/ ۸) کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے انتقال سے پہلے امیر یزیدؒ کو اہل مدینہ خصوصاً نبی اکرم ﷺ کے رشتہ داروں کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک اور صلہ رحمی کرتے رہنے کی وصیت ونصیحت فرمائی، جس پر خلیفہ ہونے کے بعد سیدنا یزیدؒ نے عمل کیا۔

علامہ ابن کثیرؒ کی نقل کردہ روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ان معاوية قال ليزيد: إن لى خليلاً من أهل المدينة فاكرمه ، قال ومن هو؟ قال عبدالله بن جعفر، فلما وفد بعد موت معاوية على يزيد أضعف جائزته التى كان معاوية يعطيه إياها وكانت جائزته على معاوية ستمائة ألف وأعطاه يزيد ألف ألف، فقال له بأبى أنت وأمى فأعطاه ألف ألف أخرىٰ فقال له ابن جعفر الله لا أجمع ابوى لاحد بعدك"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ س/ ۲۳۰، ج/ ۹ ص/ ۳۳)

''حضرت معاویہؓ نے اپنے صاحب زادے یزیدؒ سے فرمایا کہ اہل مدینہ میں سے میرے دوست کے ساتھ عزت وتکریم سے پیش آنا۔ امیر یزیدؒ نے معلوم کیا کہ وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ عبداللہ بن جعفر۔ چنانچہ حضرت معاویہ کی وفات کے بعد جب حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سیدنا یزیدؒ کے پاس آئے تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کی طرف سے ملنے والے ان کے

سالانہ وظیفہ میں اضافہ کردیا۔حضرت معاویہؓ کی طرف سے ان کو چھ لاکھ وظیفہ ملتا تھا جسے سیدنا یزیدؒ نے بڑھا کر دس لاکھ کردیا۔اس پر انہوں نے حضرت یزید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں''۔ یہ سن کر سیدنا یزیدؒ نے مزید دس لاکھ درہم عنایت فرمائے ۔حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے ان سے کہا کہ قسم بخدا ! یہ جملہ'' بأبي انت وامیّ'' آپ کے علاوہ کسی کے لیے نہ کہوں گا''۔

علامہ بلاذری نے اس موقع پر مؤرخ المدائنی کی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں :۔

"فقال ابن جعفر فداك أبي وامیّ ووالله ما قلتها لأحد قبلك"

(انساب الاشراف بلاذری ج/۴ ص/۳)

حضرت عبداللہ بن جعفر نے کہا،'' میرے ماں باپ آپ پر قربان، قسم بخدا یہ الفاظ میں نے آپ سے پہلے کسی بھی شخص کے لیے نہیں بولے''

بلاذری ہی کا بیان ہے کہ سیدنا یزیدؒ کی جانب سے اس موسلا دھار فیاضی وسخاوت پر ان کے وزیر خزانہ یا کسی دوسرے معتمد مشیر نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا، کہ کیا آپ عبداللہ بن جعفرؓ کو اتنی کثیر رقوم، سالانہ وظیفہ میں دیں گے۔تو اس کے جواب میں حضرت یزیدؒ نے فرمایا:۔

"نعم! انه يفرق ماله، فإعطائی ایاّه إعطائی أهل

المدینه"

(ایضا انساب الاشراف)

''جی ہاں! (تمہیں کیا خبر کہ) یہ اپنا مال تقسیم کر دیتے ہیں انہیں دینا یعنی اہل مدینہ کو دینا ہے''۔

علامہ ابن کثیرؒ نے انہیں سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ کا یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وہ وظیفے وعطیے کی رقوم لے کر سیدنا یزیدؒ کے مکان سے باہر نکلے تو دروازے پر مال واسباب سے لدے ہوئے دوکوہانی اونٹوں کی قطار دیکھی اعلیٰ قسم کے یہ دوکوہانی اونٹ، امیر المؤمنین یزیدؒ کی خدمت میں خراسان سے تحائف وہدایا لے کر پہنچے تھے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ واپس آئے اور امیر یزید سے درخواست کی کہ ان میں سے تین اونٹ عنایت ہوں تا کہ حج عمرہ اور شام کے سفر میں باری باری استعمال کرسکوں۔ سیدنا یزیدؒ نے متعلقہ افسر سے ان اونٹوں کے متعلق معلومات حاصل کیں اور حکم دیا کہ وہ تمام اونٹ اور ان پر لدا ہوا سارا مال واسباب حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو دے دیا جائے۔ خراسان آئے ہوئے ان اونٹوں کی تعداد کل چار سو تھی۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، سیدنا یزیدؒ کی سخاوت وفیاضی اور صلہ رحمی و نیک دلی سے اس قدر متأثر ہوئے کہ وہ برملا اعلان فرمایا کرتے تھے۔

"اتلوموني على حسن الرأي في هذا؟ يعني يزيد"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص/ ۲۳۰)

''کیا تم ان یزیدؒ بن معاویہؓ کے بارے میں اچھی رائے رکھنے پر مجھے ملامت کر سکتے ہو؟''

الغرض، سیدنا یزیدؒ کے اس فیاضانہ برتاؤ نے ثابت کر دیا کہ جود وسخا میں اپنے والد محترم، حضرت معاویہؓ کے سچے جانشین تھے۔آپ نے سیدنا معاویہؓ کی جاری کردہ ''نہر سخاوت'' کو خشک ہی نہ ہونے دیا بلکہ ایک صاحب امانت منتظم کی مانند اس کی سلامتی وترقی کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے۔ بنا بریں ان تاریخی حقائق اور سوانحی نقوش کے پیش نظر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اگر سیدنا حسینؓ کوفی منافقوں کے چکمے میں آ کر ہمعصر امت کے اجماعی فیصلہ کے برخلاف وہ قدم نہ اٹھاتے ،جس کے نتیجہ میں کوفی سبائیوں کے نامبارک ہاتھوں آپ کی افسوس ناک شہادت واقع ہوئی۔تو یقینا سیدنا یزیدؒ آپ کے ساتھ وہی اعزاز واکرام کا رویہ اختیار کرتے جو سیدنا علیؓ کے حقیقی بھتیجے اور سیدنا حسینؓ کے تایازاد بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے سلسلہ میں اختیار کیے رکھا۔

بشارت مغفرت

جہاد قسطنطنیہ اور بشارت مغفرت

سیدہ، حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول أول جیش من أُمتی یغزون البحر قد او جبوا قالت أُم حرام قلت یا رسول اللہ أنا فیھم (وفی روایۃ انس ص/ ۳۹۲ ج/۱، ادع اللہ ان یجعلنی منھم فدعالھا) قال أنت فیھم قالت ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم أول جیش من أُمتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم فقلت أنا فیھم یا رسول اللہ؟ قال لا"

(بخاری جلد اول ص/ ۴۱۰)

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کا سب سے پہلا وہ لشکر جو بحری جہاد شروع کرے گا، ان کے لیے جنت واجب ہے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں ان میں سے ہوں گی؟ (بخاری ص/ ۳۹۲ ج/۱، کی حدیث بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان

میں سے کر دے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا کی) اور
فرمایا تم ان میں ہوگی۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے
بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ میری امت کا وہ پہلا
لشکر جو قیصر کے دار الحکومت (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ
بخشا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان میں سے
ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں (بلکہ تم پہلے میں سے ہوگی)''

صحیح بخاری کی اس مستند و معتبر حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے دو لشکروں کے متعلق جنت و مغفرت کی بشارت بیان فرمائی ہے۔

اوّل:

وہ لشکر جو اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی بار سمندری جہاد کرے گا۔

دوم:

وہ لشکر جو رومی پائے تخت قسطنطنیہ پر پہلی بار چڑھائی کرے گا۔ صحیح بخاری میں کئی مقامات پر اس بات کی صراحت و وضاحت پائی جاتی ہے کہ ان ہر دو جنتی اور مغفرت یافتہ لشکروں کے ایمان افروز مناظر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رؤیا وخواب میں دکھائے دیے گئے تھے، انہیں دیکھ کر ہی آپ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے **قد أوجبوا** اور **مغفور لھم** کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ اور چونکہ (بخاری ص/ ۲۵ ج/ ۱ و ترمذی ص/ ۲۰۹ ج/ ۲) میں درج حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں۔ **رؤیا الأنبیاء وحی** اس لیے لازمی طور پر تسلیم

کرنا ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کا یہ خواب اور حالت بیداری میں دی ہوئی جنت ومغفرت کی یہ بشارت وخوشخبری بھی وحی ربّانی ہے، جسے تاویل وکتر بیونت کی غیر ایمانی خراد پر ہرگز نہیں چڑھایا جاسکتا۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی خوش نصیبی وبخت بیداری کس قدر قابل رشک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دور امارت اورعہد خلافت میں نبی صادق ﷺ کی پیشین گوئی کو پورا، اور آپ کے مبارک خواب کو شرمندۂ تعبیر فرمایا،جس کی تفصیل یہ ہے۔

مجاہدین قبرص:

سیدنا معاویہؓ نے عہد فاروقی میں ''اسلام میں بحریہ'' کی تشکیل کے لیے بہت کوشش کی،لیکن خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے بعض وجوہات کے پیش نظر نیا بحری محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی۔عہد عثمانی میں آپ نے پھر اجازت چاہی۔ بالآخر آپ کے مسلسل اصرار پر امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورینؓ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ دربار خلافت سے اجازت کا ملنا تھا کہ صوبہ شام کے ہردلعزیز گورنر، اسلامی فتوحات کے عظیم مدبّر سیدنا معاویہؓ نے بڑی تندہی اور یکسوئی کے ساتھ ایک طرف جنگی جہازوں کی تیاری شروع کرائی اور دوسری جانب مسلمان فوجی کی بحری تربیت کا معقول بندوبست کیا۔

اس طرح پانچ سو سے زائد جنگی جہازوں پر مشتمل یہ پہلا ''اسلامی بحریہ'' عالم وجود میں آیا، جسے اسلام کی تاریخ میں بحری فتوحات کے سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔

بلا شبہ یہ سیدنا حضرت معاویہ ؓ کا عظیم ترین کارنامہ ہی نہیں جس پر ان کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ بلکہ مسلمان قوم پر ایک ایسا احسان بھی ہے جس کے جذبۂ تشکر واحسان مندی سے قیامت تک سبکدوش نہیں ہوا جا سکتا۔ لیکن کس قدر حیرت وتعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کی بحری فتوحات وخدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ہی نہیں، بحری کارناموں کے صلہ میں اعزازی تمغے اور نشانات دیتے ہوئے بھی ''بانی اسلامی بحریہ'' امیر المؤمنین سیدنا معاویہ ؓ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو یکسر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر محسن کشی اور احسان فراموشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس شخصیت کے قائم کردہ نقوش پر آج فخر سے سر اونچا کیا جاتا ہے، اسی کو تاریخ کے اس اہم گوشے سے حرف غلط کی مانند کھرچ پھینکنے کی کوششیں کی جائیں۔

بہر حال بحری بیڑے کی تیاری کے بعد سن ۲۸ ہجری میں سیدنا معاویہ ؓ نے اپنی زیر قیادت سمندر پار، قبرص جیسے اہم یونانی علاقے پر اسلامی پرچم لہرایا۔

اس جہاد میں سیدنا ابوذر غفاری ؓ، سیدنا ابوالدرداء ؓ اور سیدنا عبادہ بن صامت ؓ جیسے اکابر صحابہ ؓ شامل تھے۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں شریک ہونے والے تمام مجاہدین کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخاری کی روایت کے مطابق جنتی ہونے کی خوشخبری ونوید سنائی۔ اور جس میں شمولیت کے لیے سیدہ امّ حرام ؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خصوصی دعا کرائی تھی۔ سیدہ امّ حرام ؓ اپنے شوہر سیدنا عبادہ بن صامت ؓ کے ساتھ شریک جہاد تھیں، فتح قبرص کے بعد جب لشکر اسلام واپس ہونے لگا، تو یہ سواری کا خچر بدکنے سے گر کر شہید ہو گئیں۔

سیدنا انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں:

"فخرجت مع زوجها عبادة بن صامت غازيا أول ما ركب المسلمون البحر مع معاوية فلما انصرفوا من غزوتهم قافلين فنزلوا الشام فقربت إليها دابة لتركبها فصرعتها فماتت"

(بخاری ج/۱ ص/۳۹۱، ج/۲ ص/۹۳۰۔ البدایۃ والنہایۃ ج/۶ ص/۲۲۲، ج/۷ ص/۱۵۳)

''حضرت ام حرامؓ، اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامتؓ کے ہمراہ جہاد میں نکلیں۔ وہ سب سے پہلا جہاد تھا جس میں مسلمان سیدنا معاویہؓ کے ساتھ سمندر پار گئے تھے۔ جب لوگ جہاد سے فارغ ہوکر شام واپس ہوئے سیدنا امّ حرامؓ کی سواری کا جانور لایا گیا۔ وہ اس سے گر کر انتقال فرما گئیں''۔

علامہ ابن الاثیر جزری لکھتے ہیں:

"وكان أمير هذا الجيش معاوية بن أبي سفيان فی خلافة عثمان ومعه ابوذر وابودرداء وغيرهما من الصحابة"

(اسد الغابۃ ج/۵ ص/۵۷۵)

''سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت میں، اس بحری لشکر کے سربراہ حضرت معاویہؓ تھے، ان کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری اور ابودرداءؓ وغیرہ صحابہ کرام بھی شریک جہاد تھے''۔

مجاہدین قسطنطنیہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جناب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین وخلیفہ ہوئے، آپ کی خلافت کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو مسیلمہ کذاب وغیرہ جھوٹے مدعیان نبوت سے نبردآزما ہونا پڑا۔ اور چونکہ ان باغیان اسلام کی پشت پناہی وحوصلہ افزائی اس وقت کی ایرانی مجوسی حکومت کررہی تھی (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط ص/۴۹) اس لیے ان سے فراغت کے بعد ایران کے سرحدی علاقوں پر تادیبی حملہ ناگزیر ہوگیا تھا۔ جس نے آگے چل کر باقاعدہ فتوحات کی صورت اختیار کرلی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ اگرچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہوتا، نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوسکتے اور نہ ہم ان پر چڑھ سکتے''۔ تاہم ناگزیر حالات واسباب کے پیش نظر فتوحات کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ آپ کے عہد خلافت میں نہ صرف ایران بلکہ روم ومصر وغیرہ ممالک کے بہت سے علاقے اسلام کے زیرنگین آئے۔ اسلامی فتوحات وتسخیر کا سلسلہ جاری تھا کہ اسلام کے خلاف خطرناک عجمی سازش کے ذریعہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا۔ ان کے بعد سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی فتوحات اور جہادی سرگرمیاں حسب سابق جاری رکھیں اور ان میں کسی قسم کا تعطل پیدا نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ ایران کی مجوسی حکومت آپ ہی کے دور خلافت میں خاتمہ کو پہنچی۔ بالآخر عجمی نومسلموں اور جنگی قیدیوں وغیرہ اسلام دشمن عناصر نے۔ عرب معاشرے کے بعض بزرگوں کو آڑ بنا کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش کھڑی کی،

جس کے نتیجہ میں آپ کی دردناک شہادت واقع ہوئی ۔ امام مظلوم سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کو شہید کر کے انہیں شرپسندوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کے قیام کا اعلان کیا لیکن معاملات حکومت پر عجمی سبائیوں کے تسلط نے مسلمانوں کو خانہ جنگی وطوائف الملوکی کی آگ میں دھکیل دیا۔ حضرت علیؓ کے ساڑھے چار سالہ عبوری دور میں فتوحات کا دروازہ قطعاً بند رہا۔ سیدنا معاویہؓ جیسے مدبرین ومجاہدین کی جہادی سرگرمیاں ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے یکدم رک گئیں۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی سپردگی کے بعد جب امت کی ''چوتھی اجماعی خلافت'' سیدنا معاویہؓ کو ملی تو آپ نے اسلامی فتوحات اور انسانی خدمت کے رکے ہوئے کارواں کو پھر سے بسوئے منزل رواں دواں کیا۔ ذٰلك فضل الله يوتيه من يشآء

ایران کی فتح حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں مکمل ہو چکی تھی، لیکن روم کے بیشتر علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرائے جانے کے باوجود' روم کی عیسائی حکومت کا پایۂ تخت قسطنطنیہ ابھی تک باقی تھا، جہاں سے وہ وقتاً فوقتاً مسلمان علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے ، اس لیے سیدنا معاویہؓ نے فیصلہ کیا کہ عیسائی دارالحکومت قسطنطنیہ کو فتح کر کے رومیوں کی ریشہ دوانیوں کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا جائے۔

نیز سیدنا معاویہؓ جیسے عظیم فاتح اور مدبر جرنیل سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ یورپ اور مغربی مما لک کی فتوحات کے لیے قسطنطنیہ کو دروازے کی حیثیت حاصل ہے، جسے فتح کیے بغیر سمندر پار ان ملکوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ممکن نہیں۔ سب سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہوئی ''بشارت مغفرت''

اور آپ کے دیکھے ہوئے رؤیا کی تعبیر نے قسطنطنیہ کی چڑھائی پر آمادہ کیا۔ آپ کی دلی تمنا تھی کہ جس طرح اللہ نے حدیث بشارت کے پہلے حصہ پر بحری جہاد کی صورت میں پورا اترنے کی توفیق عنایت فرمائی، اسی طرح دوسرے جزو کا مصداق بننے کی سعادت بھی مجھے عطا فرمائے۔ یہ تھے وہ اسباب وعوامل جن کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے سن ۴۹ ہجری میں قسطنطنیہ پر فوج کشی کا قطعی فیصلہ کیا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب نوجوان طبقہ ہی نہیں بچے بوڑھے اور خواتین۔ سب ہی جذبۂ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار تھے۔ اسلامی سرحدوں پر مصروف جہاد مجاہدین کے علاوہ اپنے اپنے علاقوں اور گھروں پر موجود افراد بھی ہر وقت گوش بر آواز رہتے، کہ کب جہاد کے لیے پکار کانوں میں آئے اور اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ ان حالات میں سیدنا معاویہؓ کے اس عزم اور فیصلے کی اطلاع نے پوری اسلامی ریاست میں روح پھونک دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس لشکر میں شہید مجاہدین کو مغفرت یافتہ قرار دیا تھا، اس میں شامل ہونے کے لیے لوگ جوق در جوق دمشق آنے لگے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا حسین بن علی اور میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابوایوب انصاری رضوان اللہ علیہم۔ وغیرہ نے مدینہ منورہ سے تشریف لا کر اس جنتی اور مغفرت یافتہ لشکر میں شمولیت اختیار فرمائی۔ اس وقت سیدنا یزیدؒ کی عمر ۲۶، ۲۷ سال تھی۔

امیر یزیدؒ نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا، تو پوری مسلمان قوم حرات دینی سے سرشار ہو کر ملی خدمات اور اسلامی تسخیر وفتوحات میں بدل وجان مصروف ومنہمک تھی۔ چنانچہ اس مجاہدانہ وسرفروشانہ ماحول کا اثر علمی وعملی

اعلی تربیت ومہارت کا تقاضا اور ان سب پر مستزاد جواں سال رگوں میں سیدنا معاویہؓ جیسے عظیم فاتح اور مجاہد اعظم کے خون کی جولانی کا نتیجہ تھا کہ آپ میں آغاز شباب ہی سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سیمابی تڑپ موجود تھی۔ آپ کو معلوم تھا کہ مدینۂ قیصر قسطنطنیہ پر اول پیش قدمی کرنے والے مجاہدین کو لسان نبوت سے سند مغفرت دی گئی ہے۔ بنا برایں جب آپ کے والد محترم خلیفۃ المسلمین حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کا پختہ ارادہ فرمالیا تو نبوی ارشاد کے مطابق۔۔۔ ''حصول مغفرت'' کے مومنانہ جذبے سے سرشار ہوکر ابن کثیرؒ (ص/۲۲۷ ج/۸) کی روایت کے مطابق آپ نے اس اہم بلکہ مقدس مہم کی امارت کے لیے درخواست کی۔

سیدنا معاویہؓ نے جوان عمر بیٹے کے مجاہدانہ جذبات اور ارشاد نبوی کے سلسلہ میں والہانہ وفدایانہ احساسات کو قبول کرتے ہوئے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے اس لشکر کی قیادت وامارت سیدنا یزیدؒ کے سپرد فرمائی۔

امیر المؤمنین فی الحدیث، امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ ارقام فرماتے ہیں:۔

"قال محمود بن الربيع فحدثها قوما فيهم ابو ايوب الأنصاری صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فی غزوته التی توفيها ويزيد ابن معاوية عليهم بارض الروم"

(صحیح بخاری ج/۱ ص/۸۵۸)

''محمود بن ربیعؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت غزوۂ قسطنطنیہ

کے موقعہ پر لوگوں سے بیان کی، اس جہاد میں حضرت ابوایوب انصاریؓ شریک تھے۔ نیز اسی میں ان کا وصال ہوا۔ اس لشکر کے امیر یزید بن معاویہؓ تھے۔''

علامہ قسطلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"کان أول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة ومع جماعة من سادات الصحابة کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابی أیوب الأنصاری وتوفی بها ابوایوب"

(قسطلانی بحوالہ حاشیہ بخاری ج ر ص ۴۱۰)

''قسطنطنیہ پر سب سے پہلے جہاد یزید بن معاویہؓ نے کیا۔ آپ کے ساتھ کبار صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی شریک تھی۔ جس میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور حضرت ابوایوب انصاریؓ شامل تھے''۔

مشہور شارحین بخاری علامہ بدرالدین عینیؒ اور علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"ان یزید بن معاویة غزابلاد الروم حتیٰ بلغ قسطنطینیة ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابوایوب الأنصاری وکانت وفاة ابی ایوب الأنصاری هناك قریباً من سور القسطنطینیة وقبره هناك"

(عمدۃ القاری ج/۱۴ص/۱۹۹، فتح الباری ج/۶ص/۷۸)

''امیر یزید بن معاویہؓ رومی علاقوں میں مصروف جہاد رہے، یہاں تک کہ آپ قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔ آپ کے ساتھ اکابر صحابہؓ کی جماعت بھی موجود تھی، جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور ابوایوب انصاریؓ شامل ہیں۔ اسی جہاد میں حضرت ابوایوب انصاری کی وفات ہوئی اور وہیں شہر کی فصیل کے پاس ان کی قبر بھی ہے''۔

علامہ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ:

"فسار معه خلق كثير من كبراء الصحابة حتىٰ حاصر القسطنطينية"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ص/۳۲، ۱۲۷)

''اکابر صحابہ کی بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا''۔

آگے چل کر علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

"كان الحسين يفد إلى معاوية فى كل عام فيعطيه ويكرمه وكان فى الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ص/۱۵۱)

''سیدنا حسینؓ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق جایا کرتے اور وہ انہیں گراں قدر وظائف اور عزت واکرام سے نوازتے

تھے۔ اور حضرت حسینؓ اس لشکر میں بھی شریک تھے جس نے حضرت یزید بن معاویہؓ کے ساتھ قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی‘‘۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه أول من غزا البحر و منقبة لولده لانه أول من غزا مدینة من قیصر"

(فتح الباری ج/۶ ص/۸۷، حاشیہ بخاری ص/۴۱۰ ج/)

’’مہلبؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہؓ کی فضیلت ہے اس لیے کہ انہی نے پہلا بحری جہاد کیا۔ نیز آپ کے صاحبزادے امیر یزیدؒ کی فضیلت بھی ہے کیونکہ انہی نے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کی‘‘۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

"أول جیش غزاها كان أمیرهم یزید والجیش عدد معین لامطلق وشمول المغفرة لآحاد هذا الجیش اقوىٰ۔۔۔ویقال ان یزید انما غزا القسطنطینیة لهذا الحدیث"

(منہاج السنۃ ج/۲ ص/۲۵۲)

’’قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کرنے والے لشکر کے سپہ سالار حضرت یزیدؒ تھے۔ اور چونکہ لشکر معین تعداد کو کہا جاتا ہے اس لیے اس فوج کا ہر ہر فرد بشارت مغفرت میں شریک ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے اسی ارشاد نبوی کی خاطر قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا‘‘۔

یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ارقام فرماتے ہیں:

"ویزیدھذا أولی الملك ھوأول من غزا القسطنطینیة غزاھا فی خلافة أبیه معاویة وقد روی البخاری فی صحیحه عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم أول جیش یغزوا القسطنطینیة مغفور لھم"

(یزید ابن معاویہؓ ص ر ۳۷)

’’یہ امیر یزیدؒ (اپنے والد کے بعد) خلیفہ ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کی خلافت میں قسطنطنیہ پر اول مرتبہ چڑھائی کی تھی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسطنطنیہ پر پہلی بار جہاد کرنے والا لشکر بخشا ہوا ہے۔‘‘

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"فاول من غزا القسطنطینیة جیش بعثھم معاویة وعلیھم ابنه یزید وفیھم من سادات الصحابة ابوایوب انصاری فحاصروھا ...وقد صحّ ان أول جیش یغزوا القسطنطینیة مغفور لھم وأول جیش غزاھا ، کان أمیرھم یزید"

(المنتقیٰ ص/ ۲۸۸، ۲۹۱)

’’قسطنطنیہ پر پہلی بار حملہ کرنے والے لشکر کو حضرت معاویہؓ نے امیر یزیدؒ کی قیادت میں روانہ کیا تھا۔ اس میں اکابر صحابہ میں سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ (وغیرہ) شریک تھے۔۔۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سب سے اول قسطنطنیہ پر جہاد کرنے والا لشکر بخشا ہوا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس لشکر کے امیر وقائد یزید بن معاویہؓ تھے‘‘۔

مشہور و معروف شیعہ مؤرخ محمد بن جریر طبری کا بیان ہے کہ:

’’یزید بن معاویہؓ نے روم میں جنگ کی یہاں تک کہ قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ ابن عباس و ابن عمر زبیر و ایوب انصاری رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ تھے‘‘۔

(تاریخ طبری اردو ج/ ۵ ص/ ۸۶)

شیخ العرب والعجم مولانا السید حسین احمد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کو چک کے فتح کرنے حتی کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے‘‘۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ج/ ا ص/ ۲۵۰)

مشہور و معروف سیرت نگار علامہ السید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

’’یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزیدؒ اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے۔ اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے‘‘۔

(سیرت النبی جلد سوم صفحہ ص ر ۶۰۱ مطبوعہ لاہور)

قدیم و جدید محدثین و مؤرخین کی پیش کردہ یہ عبارات و نقول اس بات کا واضح اور نا قابل انکار ثبوت ہیں کہ زبان رسالت سے جنت و مغفرت کی خوشخبری پانے والے ان ’’مجاہدین قسطنطنیہ‘‘ کی سربراہی و امارت امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے خوش نصیب و باصلاحیت فرزند سیدنا یزیدؒ کو حاصل تھی۔ حضرات عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور سیدنا حسینؓ ہی نہیں۔ دیگر اکابر صحابہ کی بڑی تعداد نے بدل و جان اس جہاد میں شرکت فرمائی اور امیر لشکر سیدنا یزیدؒ کے ماتحت اور زیر فرمان رہ کر مجاہدانہ کارنامے انجام دیے۔ قرن اول کے اس دور میں کمانڈر کی حیثیت صرف جنگی ہدایات کار کی نہ ہوتی تھی۔ بلکہ فوج میں شریک تمام مجاہدین کے اجتماعی و انفرادی، دینی معاملات بھی امیر لشکر کے ذمہ ہوتے تھے۔ اس لیے سات مہینہ سے زائد مدت پر حاوی اس مہم کے دوران سیدنا حسینؓ سمیت تمام صحابہؓ اور دیگر شرکائے لشکر سیدنا یزیدؒ کی جانب سے ملنے والی جنگی ہدایات و فرامین پر پورے خلوص کے ساتھ عمل پیرا رہے اور آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر، اللہ رب العزت کے حضور صلاۃ پنجگانہ بھی ادا کرتے رہے۔ بلا

شبہ سیدنا یزیدؒ کی قائدانہ صلاحیت اور مومنانہ کردار کے سلسلہ میں ہم عصر صحابہؓ وتابعینؒ کا یہ ''عملی اجماع'' ایسی اٹل تاریخی حقیقت ہے جس کے سامنے'' منافقین عجم '' سبائیوں کی تمام تر الزام تراشیاں ، افترائے محض اور سفید جھوٹ کی حیثیت رکھتی ہیں ،جن میں سچائی کا شائبہ تک نہیں ۔

ہر اتہام ، ہرالزام ، ہوگیاباطل
سند یزیدؒ کو بخشش کی مصطفی ﷺ نے دی

وفات سیدنا ابوایوب انصاریؓ :

میزبان رسول سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی عمراسّی سال سے بھی متجاوزتھی ، بایں ہمہ اس ضعیف العمری اور پیرانہ سالی میں مدینہ منورہ سے دمشق اور پھر دمشق سے قسطنطنیہ کے طویل ترین سفر کی صعوبتیں آپ نے صرف اس لیے برداشت کیں۔تاکہ رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادگرامی کے مطابق بشارت مغفرت پانے والے لشکر میں شرکت کی سعادت حاصل کرسکیں۔شدیدگرمی ،طول طویل سفر، موسم اورآب وہوا کی اجنبیت اور پھر زندگی کے آخری کناروں کو چھوتی ہوئی ضعیفی وکمزوری ، چنانچہ سیدنا ابوایوب انصاریؓ کو پیچش کا عارضہ لاحق ہوگیا، جس نے بڑھتے بڑھتے ایسی شدت اختیار کرلی کہ زندگی سے مایوسی ہونے لگی ۔ امیرلشکر حضرت یزیدؒ بن معاویہؓ عہد رسالت کی ان بزرگ ترین شخصیت کی دیکھ بھال اور مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ان کو وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد میرے جنازہ کو دشمن کی سرزمین میں جتنی دور ممکن ہو لے جاکر دفن کرنا۔ نیز تمام مسلمانوں کو میرا سلام پہنچا کر میری طرف سے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سنا دینا:

"من مات لا یشرك بالله شيأً جعله الله في الجنة"

''جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی بھی شے کو ساجھی نہ کیا ہو تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا''۔

سیدنا یزیدؒ نے وصیت کے مطابق لوگوں کو حضرت ابو ایوب انصاری کا سلام پہنچایا۔ ان کا بیان فرمودہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنایا اور تجہیز و تکفین کے بعد آپ ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اگلے دن صبح رومیوں پر حملہ کے دوران قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے قریب دفن کر دیا گیا۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"ان يزيد بن معاوية كان اميراً على الجيش الذى غزا فيه ابو ايوب، فدخل عليه عنده الموت فقال له: إذا أنا متّ فاقرأ على الناس منى السلام واخبروهم انى سمعت رسول صلى عليه وسلم يقول "من مات لايشرك بالله شيأً جعله الله فى الجنة" ولينطلقوا فيبعدونى فى أرض الروم مااستطاعوا قال فحدث الناس لمامات ابو ايوب فاسلم الناس وانطلقوا بجنازته"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۵۹)

''یزیدؒ بن معاویہؓ اس لشکر کے امیر تھے، جس میں شامل ہو کر

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔ ان کی وفات کے وقت امیر یزید رحمہ اللہ تشریف لائے تو انہوں نے ان سے کہا کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو لوگوں کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ ارشاد نبوی انہیں سنانا کہ ''شرک سے محفوظ شخص کو اللہ جنت عطا کرے گا'' نیز جہاں تک ممکن ہو روم کی سرزمین میں مجھے دور لے جا کر دفن کرنا۔ چنانچہ امیر یزید رحمہ اللہ نے لوگوں کو حدیث سنائی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچایا۔ اس کے بعد جنازہ دفن کے لیے لے گئے''۔

رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں:

''أخرج الحاكم (ج/۳ص/۴۵۸) عن محمد بن سيرن قال ...فمرض وعلى الجيش يزيد بن معاوية فدخل عليه يعوده فقال ماحاجتك؟ فقال حاجتي إذاانا مت فاركب بي ثم سغ لي في ارض العدو ماوجدت مساغاً فاذالم تجد مساغاً فادفني ثم ارجع''

(حیاۃ الصحابہ الجزالاول ص/۴۴۰)

''حاکم نے مستدرک (ص/۴۵۸ ج/۳) پر امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، اس وقت یزید رحمہ اللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر تھے۔ وہ بیمار پرسی کے لیے آئے۔ معلوم کیا کوئی ضرورت ہو تو بتائیں؟ اس پر

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ان سے کہا میری خواہش ہے کہ جب میں مرجاؤں تو دشمن کے علاقے میں جس قدر ہو سکے دور لے جا کر دفن کر کے واپس آنا۔''

(حیاۃ الصحابہ اردو ج/ ۳ ص/ ۴۹۳)

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

"وكان ابو ايوب الأنصاری فی جيش يزيد بن معاوية وإليه اوصیٰ وهو الذی صلی عليه"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۵۸)

''سیدنا ابوایوب انصاریؓ امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کی فوج میں تھے۔ انتقال سے پہلے انہوں نے امیر یزیدؒ کو وصیت کی اور انہیں نے حضرت ابوایوبؓ کی نماز جنازہ پڑھائی''۔

علامہ محمد بن سعدؒ کی نقل کردہ روایات ملاحظہ ہوں:

پہلی روایت:۔-----------------------------

''پھر وہ یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ بیمار ہوگئے، لشکر پر یزید بن معاویہؓ امیر تھے، وہ ان کے پاس ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش ہو تو بیان کیجیے، انہوں نے کہا ہاں میری خواہش ہے کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے اونٹ پر سوار کرا کے جہاں تک گنجائش ملے دشمن کے ملک میں لے جانا، جب گنجائش نہ پانا تو وہیں دفن کر دینا اور واپس آ جانا۔ جب ان کی وفات ہوگئی تو انہوں نے انہیں سوار کیا اور جہاں

تک گنجائش ملی دشمن کے ملک میں لے گئے اور دفن کر کے واپس آ گئے''۔

(طبقات ابن سعد اردو ج ۴ ص ۶۱)

دوسری روایت:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

''یزید بن معاویہؒ جس وقت ابوایوب کے پاس آئے تو انہوں نے ان سے کہا کہ لوگوں سے میرا اسلام کہنا۔ لوگوں کو چاہیے کہ مجھے لے جائیں اور جتنا دور (دفن) کر سکیں کر دیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا یزیدؒ نے لوگوں سے بیان کر دیا۔ لوگوں نے مانا۔ ان کے جنازے کو جس قدر اندر لے جا سکتے تھے لے گئے''۔

(طبقات ج ۴ ص ۶۱)

تیسری روایت:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

''جس سال یزید بن معاویہ نے اپنے والد معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت میں قسطنطنیہ کی جنگ کی، اسی سال ابوایوب کی وفات ہوئی، ان پر یزید بن معاویہ نے نماز پڑھی، ان کی قبر روم میں قلعۂ قسطنطنیہ کی بنیاد ہی میں ہے''

(طبقات ج ۴ ص ۶۲)

قلعہ کی دیوار کے نزدیک کوئی چیز دفن کرتے ہوئے دیکھ کر رومی سربراہ قیصر نے قاصد کے ذریعہ معلوم کرایا، تو امیر لشکر سیدنا یزیدؒ بن معاویہؓ نے کہا:

''صاحب نبینا وقد سألنا أن نقدمه فی بلادك

ونحن منفذون وصیته او تلحق أرواحنا بالله"

(العقد الفرید ج/۳ ص/۱۳۳)

''یہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں، جنہوں نے تمہارے ملک میں اندر لے جا کر دفن کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ اب ہم ان کی وصیت وخواہش کی تکمیل وتعمیل میں انہیں یہاں دفن کر رہے ہیں۔ ہم انہیں یہاں ضرور دفن کریں گے خواہ ہمیں اپنی جانیں دینی پڑیں''۔

یہ سن کر شاہِ روم کی زبان سے یہ گستاخانہ جملہ نکل گیا کہ۔ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد ہم یہ لاش نکلوا کر کتوں کے سامنے ڈلوادیں گے۔ قیصر کی زبان سے نکلتے ہوئے ان گستاخانہ اور خبیث الفاظ کی اطلاع ملنی تھی کہ سیدنا یزیدؒ نے پورے لشکر کو پوری شدّت وقوت سے رومیوں پر حملہ کا حکم دیا۔ اور خود بھی ایمانی جرأت وغیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بجلی کی طرح پیش پیش رہے، یہاں تک کہ اسلامی لشکر کے اس شدید حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے رومیوں نے قلعہ میں پناہ لی۔ سیدنا یزیدؒ کے ایمانی غضب اور مجاہدانہ جوش کا یہ عالم تھا کہ جب آپ رومی لشکر کو پسپا کرتے ہوتے قلعہ کے دروازے تک پہنچے تو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے گرز سے قلعہ کے پھاٹک پے اس زور سے ضربیں لگائیں کہ اس میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے۔ یہی موقع ہے کہ سیدنا یزیدؒ نے رومیوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"یاأهل قسطنطینیة هذا رجل من أكابر أصحاب محمد ﷺ نبینا وقد دفنّا حیث ترون والله لئن تعرضتم له لأهدمنّ كل كنیسةٍ فی أرض الإسلام

ولا یضرب ناقوس بأرض العرب أبداً"

(شیعہ کتاب۔ناسخ التواریخ ج/۲ ص/٦٦)

''اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔اور تم نے ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو یاد رکھو کہ پوری سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ منہدم کرادوں گا۔اور پھر پورے عرب میں کبھی بھی ناقوس تک نہیں بج سکے گا''۔

علامہ ابن عبدربہ کی درج کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"لئن بلغنی انه نبش من قبره أومثل به لا ترکت بأرض العرب نصرانياً إلا قتلته ولا كنيسةً إلا هدمتها"

(العقد الفرید ج/۳ ص/۱۳۳)

''اگر مجھے پتہ چلا کہ ان کی قبر اکھیڑی گئی یا ان کے ساتھ کسی بے ادبی کا ارتکاب کیا گیا۔تو (کان کھول کر سن لو کہ) میں سرزمین عرب میں کسی نصرانی کو قتل، اور کسی گرجا کو ڈھائے بغیر نہ چھوڑوں گا''۔

سیدنا یزیدؒ کی اس جرأت مندانہ دھمکی اور شدید حملے سے قیصر پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ اپنے مذہب کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر کے ساتھ کسی بھی قسم کی بے ادبی و گستاخی نہ ہوگی۔بلکہ اس کی حفاظت کا بھرپور خیال رکھا جائے گا۔چنانچہ بعد میں اس نے قبر

پر ایک قبہ بنوا دیا۔

"انه بنى على قبره قبةً يسرج فيها الى اليوم"

(العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۳)

''اس نے حضرت ابوایوبؓ کی قبر پر ایک قبہ بھی بنوا دیا جہاں آج تک چراغ روشن ہوتا ہے''۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ میزبان رسول، سیدنا ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی یہ حفاظت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آئی۔

مجدد تاریخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمہ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

''جو لوگ اس جہاد قسطنطنیہ کے لیے گئے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔ اور یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں۔ بلکہ آپ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا، جس پر آپ نے فرمایا تھا کہ ابوایوب اللہ تمہارے جسم کی بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات میں پہرہ داری کی ہے۔ صاحب کتاب ''الروض الانف'' شرح السیرۃ النبویۃ لابن ہشام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کی اس دعا سے ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی پھر اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بیان ہو چکا امیر

یزیدؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ تہدیدی کلمات بھی نقل کیے ہیں جو رومیوں سے فرمائے تھے۔ جس پر رومی عیسائیوں نے اپنے مسلک کے مطابق حلف لیا اور وعدہ کیا کہ ان صحابیٔ رسول ﷺ کی قبر کی حفاظت کریں گے۔ أول جیش امتیؐ کی قیادت کے امتیاز اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ سعادت بھی امیر یزیدؒ کو حاصل ہوئی کہ نبیٔ کریم ﷺ کی دعائیہ پیشین گوئی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی حفاظت بھی انہیں کے جوش ایمانی، حب رسول وحب صحابہ وغیرت ملی کی بدولت پوری ہوئی اور آپ کی پیشین گوئی کا کہ

"یدفن عند سور القسطنطینیة رجل صالح"

(العقد الفرید ص/۳۳۲ ج/۳)

یعنی فصیل قسطنطنیہ کے پاس ہی ایک مرد صالح دفن ہوگا۔ عملاً ظہور بھی اس میر مجاہد وجوان صالح کے تہوّرانہ اقدام سے ہوا۔ ذٰلك فضل الله یوتیه من یشآء"

(خلافت معاویہ ویزید ص/۳۶۶، تحقیق مزید ص/۳۲۵)

قدیم وجدید مؤرخین کے بیان کردہ اس واقعہ سے واضح اور ناقابل انکار طریقہ پر معلوم ہوا کہ:

(۲) نبی کریم ﷺ کی زبان سے مغفرت وبخشش کی بشارت پانے والے لشکر میں سیدنا یزید نہ صرف شریک ہی تھے بلکہ اس جنتی فوج کی قیادت، امامت اور امارت کے فرائض بھی آپ ہی نے انجام دیے۔ بقول حافظ الحدیث علامہ ابن حجر

عسقلانیؒ یہ ایسی فضیلت ومنقبت ہے جسے سیدنا یزید بن معاویہؒ کی ''کتاب الفضائل'' سے ہرگز نہیں کھرچا جا سکتا۔

۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے اکابر صحابہؓ کے علاوہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی طرح سیدنا یزیدؒ نے بھی اس مہم میں شمولیت وشرکت خالصۃً ''بشارت نبوی'' حاصل کرنے کی خاطر اختیار فرمائی۔

۳ کئی مہینہ جاری رہنے والی اس جنگی کاروائی کے دوران حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سمیت تمام صحابہؓ اور دیگر سارے مجاہدین نے امیر یزیدؒ کے زیر قیادت اور تابع فرمان رہ کر جہاد جیسا دینی فریضہ انجام دے کر، اور ان ہی کی امامت وپیشوائی میں مسلسل فرائض پنجگانہ ادا کرکے، سیدنا یزیدؒ کی مومنانہ قیادت وصلاحیت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی، جسے بعد میں آنے والے ''تقیہ باز'' یہودیوں مجوسیوں کے اڑائے ہوئے روایاتی گردوغبار کے ذریعہ دھندلا نہیں کیا جا سکتا۔

۴ جہاد قسطنطنیہ کے دوران سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی بیماری، وصیت، وفات اور تدفین کے سلسلہ میں مسلم اور سبائی سارے مؤرخین کی بیان کردہ تفصیلات، سیدنا یزیدؒ کی سعادت، جرأت اور فضیلت کا ایسا محکم اور ناقابل تردید ثبوت ہی نہیں، جسے حد درجہ دشمنی وعداوت کے باوجود سبائی وروافض بھی چھپانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بلکہ قلعۂ قسطنطنیہ کے دامن میں میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پر ہجوم مزار آج بھی مجاہد قسطنطنیہ سیدنا یزیدؒ کی فلک بوس عظمتوں اور رفعتوں کا کھلے بندوں اعلان کر رہا ہے، لیکن ؎

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا

جہاد قسطنطنیہ اور بشارت مغفرت کے سلسلہ میں اس سیر حاصل گفتگو کے بعد اگر چہ کسی حق پرست اور انصاف پسند شخص کے لیے مزید تفصیل اور قیل وقال کی ضرورت نہیں۔ لیکن چونکہ بعض سر پھروں اور بیمار طبیعت عناصر نے اس واضح اور اٹل اور تاریخی حقیقت ہی نہیں۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی بشارت وپیشین گوئی کو ڈائنا میٹ اور سبوتاژ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے کی ناکام ونامبارک کوشش کی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لگے ہاتھوں اس جانب بھی توجہ کرتے چلیں ؎

امیرؔ جمع ہیں احباب حالِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

اشکال:

یہ کیا گیا کہ ''اول تو اس مغفرت یافتہ لشکر میں یزیدؒ بن معاویہؓ نے شرکت ہی نہیں کی تھی۔ اور اگر شرکت کی بھی تو کیا ضرورت ہے کہ ہر ہر شریک مغفرت وبخشش کا مستحق ہی ہو۔ اور اگر یزیدؒ بن معاویہؓ کو مغفرت یافتہ مان لیا جائے تو پھر بھی یہ مغفرت صرف جہاد قسطنطنیہ تک محدود رہے گی، اس لیے ہوسکتا ہے کہ بعد میں پیش آمدہ بدلے ہوئے حالات وکوائف کی وجہ سے، مغفرت وجنت کا یہ پروانہ صرف منسوخ اور کینسل ہی نہیں، بلکہ جہنم سوخت بھی کر دیا ہو۔ بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی پیشگوئی وخوشخبری کے باوجود یزیدؒ بن معاویہؓ کو کسی بھی صورت میں مغفرت یافتہ اور جنتی قرار نہیں دیا جاسکتا''۔

یہ ہے وہ اشکال جو بعض معاصرین، دانائے امت، مفکرین ملت، بقلم خود

مؤرخ اور پیشہ ور ذاکر نما واعظوں نے ، گرتی ہوئی سبائی دیواروں میں مرمت کے طور پر اٹھایا ہے ۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ انقلابی علم وفکر کی روز افزوں روشنی کے اس دور میں ، ان بوسیدہ وکرم خوردہ سہاروں کو اب انشاء اللہ العزیز تادیر قائم نہیں رکھا جا سکتا **ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً** ۔

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چلا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چلا

جواب اول :

سیدنا یزیدؒ کی شرکت جہاد سے متعلق ۔ صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۵۸ / باب **صلوۃ النوافل جماعۃً** والی صاف وصریح روایت اور علامہ قسطلانیؒ ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ، علامہ بدرالدین عینیؒ ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ، امام ذہبی ، حافظ ابن کثیر ۔ رحمہم اللہ ۔ اور شیعہ مؤرخ علامہ ابن جریر طبری وغیرہ محدثین ومؤرخین کی وہ عبارت جو ہم گذشتہ اوراق میں درج کر آئے ہیں ، انہیں ایک مرتبہ پھر بغور دیکھ لیا جائے ۔ اشکال کے اس حصہ کے سلسلہ میں وہ کافی ، وافی اور شافی ثابت ہوگی ۔ اس لیے اس موضوع پر مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ۔

جواب دوم :

شیخ الام امام ابن تیمیہؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں جس طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ وغیرہ صحابہ کرام نے حصول مغفرت کی غرض سے شمولیت فرمائی تھی ، بالکل اسی طرح حضرت یزیدؒ نے بھی ''حدیث مغفرت'' کے پیش نظر خلوص دل سے نہ صرف شرکت فرمائی ، بلکہ امارت کے فرائض بھی بحسن وخوبی

انجام دیے۔

"ان یزید غزا القسطنطینیة لأجل هٰذا الحدیث"

(منہاج السنۃ ص/۲۵۲ ج/۲)

اگر سیدنا یزیدؒ کا مقصود "حصول مغفرت" نہ ہوتا تو اس گرم موسم میں راحت وآرام اور وطن چھوڑ کر اتنے دور علاقے میں سفر و جہاد کی صعوبتیں کیوں برداشت کرتے۔

ارشاد ربانی ہے:

"وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِراً إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَّحِيماً"

(سورہ نساء:۱۰۰)

"جو شخص اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے، پھر اسے موت آجائے۔ تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو چکا۔ اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں"۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان خلوص نیت کے ساتھ ہجرت یا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر، گھر سے نکل کھڑا ہو، اب اگر وہ منزل تک نہ بھی پہنچ سکے پھر بھی اللہ کے اجر وثواب اور رحمت ومغفرت کا حقدار ہوگا۔ بنا برایں نبی ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں آپ ﷺ ہی کی بیان فرمودہ بشارت مغفرت حاصل کرنے کی نیت سے قسطنطنیہ پر پہلی بار جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے لشکر کے امیر اور سالار، سیدنا امیر یزیدؒ کس دلیل سے مغفرت وبخشش کے مستحق قرار

نہیں دیے جا سکتے۔

جواب سوم:

علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

"ثم کان امیر الجیش الثانی یزید بن معاویۃ فی غزوۃ القسطنطینیۃ۔۔۔۔وھٰذا من أعظم دلائل النبوۃ"

(البدایۃ والنہایۃ ج/۸ ص/۲۲۹)

''دوسرے لشکر کے سپہ سالار قسطنطنیہ کے جہاد میں، امیر یزیدؒ بن معاویہؓ تھے۔۔۔اور یہ پیشین گوئی دلائل النبوۃ میں سے ہے۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں:

"والغزوۃ الثانیۃ غزوۃ قسطنطینیۃ مع أول جیش غزاھا وکان أمیرھا یزید بن معاویۃ بن أبی سفیان وکان معھم أبو أیوب خالد بن زید الأنصاری فمات ھنالك رضی اللہ عنه وارضاہ۔۔۔۔فھٰذا الحدیث فیه ثلاث آیات من دلائل النبوۃ ، الإخبار عن الغزوتین والإخبار عن المرأۃ بأنھا من الاولین ولیست من الآخرین وکذلك وقع صلوۃ اللہ وسلامه علیه"

(البدایہ والنہایہ ج/۶ ص/۲۲۳)

''دوسرے غزوے سے مراد غزوۂ قسطنطنیہ ہے جو امیر یزیدؒ بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی زیر قیادت لشکر کے ذریعہ قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کی صورت میں درپیش ہوا۔ ان کے ساتھ حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ بھی شریک جہاد تھے۔ ان کا وہیں انتقال ہوا اس حدیث میں نبوت کی تین نشانیاں دلائل نبوت پائی جاتی ہیں:

اول: قبرص اور قسطنطنیہ پر دو جہادوں کا اظہار و اعلان کرنا۔

دوم: حضرت امّ حرامؓ کو پہلے لشکر میں شمولیت کی اطلاع دینا۔

سوم: ان ہر دو غزوات کا حسب فرمان نبوی ﷺ واقع ہونا۔''

مندرجہ ذیل بالا تاریخی عبارت سے ثابت ہوا کہ رومی دارالسلطنت قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کے متعلق نبی کریم ﷺ کا زیر بحث ارشاد گرامی اور اس جہاد کے مناظر بحالت خواب مشاہدہ فرما کر زبان وحی ترجمان سے تمام مجاہدین کے لیے ''مغفور لہم'' جیسی انمول خوشخبری کا اعلان فرمانا ایک عظیم ترین پیشین گوئی ہے جو اس اعلان سن ۸ ہجری کے برسوں بعد سن ۴۹ ہجری میں سیدنا معاویہؓ کے خلافت راشدہ کے دور میں ان کے فرزند سیدنا یزیدؒ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

بلاشبہ حدیث مغفرت میں بیان کردہ پیشگوئی بقول علامہ ابن کثیرؒ دلائل نبوت میں سے ہے جس کا حسب فرمان نبوی ﷺ واقع ہونا نبی کریم ﷺ کی صداقت وحقانیت کا واقعاتی ثبوت ہے۔ بنابریں اس میں وارد شدہ مغفرت و بخشش کو بعض شرکاء تک محدود کر کے بعض کو محروم سمجھنا، ارشاد رسول ﷺ کی تحریف

وتوہین کے مترادف اورانکار نبوت کو مستلزم ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول مکرم ﷺ تو بلا استثناء تمام شرکائے لشکر کو مغفرت یافتہ فرمائیں اور یہ سبائی ناقوس بردار، کسی عام شریک ہی کو نہیں بلکہ اس جنتی فوج کے قائد، امیر اور سپہ سالار، سیدنا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما کو مغفرت سے محروم قرار دے کر دلیل نبوت کے استخفاف وانکار پر آمادہ ہیں۔ حالانکہ پیشین گوئی کے الفاظ میں کسی قسم کی تخصیص وتعیین کی گنجائش کا امکان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بشارت مغفرت میں تعمیم کا کھلے بندوں یوں اظہار فرمایا ہے کہ:

''چونکہ لشکر عدد متعین کو کہا جاتا ہے اس لیے اس فوج کا ہر ہر فرد بشارت مغفرت میں شریک ہے''۔

(منہاج السنۃ ج/۲ص/۲۵۲)

حاصل یہ کہ سیدنا یزیدؒ شریک جہاد بلکہ امیر المجاہدین ہونے کی وجہ سے مغفرت ورحمت کے دوسرے سے کہیں زیادہ مستحق ہیں۔ انہیں بشارت مغفرت سے خارج اور محروم خیال کرنے والوں کو اپنے ایمان بالرسالت پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔

جواب چہارم:

جہاد قسطنطنیہ کے متعلق بشارت مغفرت چونکہ ایک پیشین گوئی ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں مزید کچھ عرض کرنے سے پہلے نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئیوں کے بارے میں غور کرتے چلیں کہ ان کی کیا حیثیت ہے؟ ہمارا ایمان ہے کہ نبی صادق ﷺ کی پیشین گوئیوں کو نجومیوں جوتشیوں اور قیافہ شناسوں کی ان پیشین گوئیوں کے مماثل قرار دینا قطعاً غلط ہے جو محض تخمین یا اٹکل کا نتیجہ ہوا کرتی

ہیں، جو کبھی درست ثابت ہوتی ہیں اور کبھی غلط۔ نیز ضرورت پڑنے پر دور از عقل تاویلات کر کے یا پھر اضافی قیود و شرائط لگا کر انہیں درست ثابت کرنے کی خواہ مخواہ کوششیں کی جاتی ہیں۔۔۔حاشا وکلا۔۔۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان فرمودہ پیشین گوئیوں کے بارے میں ایسا سوچنا غلط اور بے بنیاد نہیں، سراسر ایمان کے منافی بھی ہے۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیاں اٹکل پچو، اور محض اندازے اور قیافے کی بنیاد پر نہیں ہیں، بلکہ آپ نے کوئی بھی فیصلہ کن اطلاع بلا وحی آسمانی نہیں دی۔ آئندہ سے متعلق جو بھی صریح اور محکم خبر آپ کی زبان صدق سے صادر ہوئی وہ اللہ رب العزت کے دیے ہوئے اسی یقینی قطعی علم کی روشنی میں تھی جس میں نہ کسی قسم کے کذب اور جھوٹ کا امکان ہے اور نہ ہی غلطی کا احتمال۔ **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو إلا وحی یوحیٰ**

بنا برایں بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے۔ سمندر اپنا رخ موڑ سکتا ہے۔ نظام شمسی وقمری میں خلل واقع ہو سکتا ہے، لیکن نبی صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک و پاکیزہ زبان سے نکلی ہوئی کوئی بھی پیشین گوئی نہ جھوٹی اور غلط ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی من چاہی شرائط لگا کر اسے خانہ ساز تاویلات کی سان پر چڑھایا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قرآن وسنت میں دو قسم کی پیشین گوئیاں بیان کی گئی ہیں:۔

پہلی قسم: وہ جن میں بعض اعمال و افعال کو پیشین گوئی کا مدار قرار دے کر بتلایا گیا کہ جس کسی نے فلاں عمل اختیار کیا تو وہ جنت کا مستحق ہوگا۔ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا تعلق چونکہ افعال و اعمال سے ہوتا ہے اس لیے ان میں کسی وقت یا شخص کی قید نہیں

ہوا کرتی، بلکہ ان کی حیثیت دائمی وعمومی ہوتی ہے۔مثال کے طور پر پڑوسی کی مدد کرنے یا قرضدار کا قرضہ ادا کرنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اسی طرح ظالم کا ساتھ دینا یتیموں کا مال اڑا لینا اور پڑوسی کو دکھ پہنچانا وغیرہ ایسے اعمال جن پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان نیک وبد اعمال کا تعلق نہ کسی زمانہ تک محدود ہے اور نہ ہی کسی فرد اور گروہ کے ساتھ مخصوص۔ اس طرح کی پیشین گوئیاں ترغیب وترہیب کا درجہ رکھتی ہیں، جن کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ فلاں عمل قابل قبول ہے اور فلاں قابل ترک۔ اب قیامت تک کوئی بھی شخص ان میں سے کسی عمل کو اختیار کرے گا، وہ اس کے نتیجہ میں بتائے ہوئے اچھے برے اثرات وثمرات کا مستحق ہوگا۔ ان عام اور غیر محدود پیشین گوئیوں میں بیان کردہ بشارت کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس نیک عمل پر عامل شخص جب تک اس پر عمل کرتا رہے اور اس کے منافی امور کا مرتکب نہ ہو، اس وقت تک وہ بشارت کا حقدار ہوگا اور جب اسے چھوڑ دے یا اس کے خلاف عمل پیرا ہو جائے تو وہ اس بشارت کے استحقاق سے محروم قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کی بشارت کا دارومدار خاص عمل پر تھا جب وہ ہی نہ رہا تو بشارت کیسی۔

دوسری قسم: کی پیشین گوئیاں وہ ہیں جن کا تعلق مخصوص زمانہ اور متعین افراد اور گروہوں سے ہے، مثال کے طور پر قرآن مجید نے ابولہب کا نام لے کر جہنمی قرار دیا۔ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب عبدمناف کے بارے میں کہا کہ انہیں جہنمی جوتے پہنائے جائیں گے جس سے ان کا دماغ اوٹتے پانی کی طرح کھولتا ہوگا۔ یا ایک مجاہد (قزمان) کے متعلق حضور علیہ السلام نے دوزخی ہونے کی اطلاع دی، حالانکہ وہ حد درجہ پامردی وشجاعت کے ساتھ کافروں کے مقابلے میں

برسر پیکار تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خبر دی کہ یہ شخص دینی جذبہ سے نہیں بلکہ قومی عصبیت میں لڑ رہا ہے اور یہ خودکشی کر کے مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ میں لگے ہوئے زخموں کی تاب نہ لا کر اس نے خودکشی کر لی۔

اس قسم کی پیشین گوئیاں چونکہ کسی فعل کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتیں بلکہ ان میں بیان کردہ بشارات اور وعیدوں کا تعلق مشخّص و متعیّن افراد سے ہوا کرتا ہے، اس لیے ان میں نہ کسی چون و چرا کی گنجائش ہے اور نہ ہی کسی استثنائی گفتگو کی کھپت، بلکہ اس طرح کی تمام بشارات وغیرہ کو بالکل اسی طرح قبول و تسلیم کرنا لازمی ہے جس طرح رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔مجاہدین قسطنطنیہ کے بارے میں جس بشارت و خوشخبری پر گفتگو ہو رہی ہے وہ اس دوسری ہی قسم میں داخل ہے۔اس سلسلۂ کلام کے شروع میں نقل کردہ حضرت امّ حرامؓ والی صحیح بخاری کی روایت ایک مرتبہ پھر بغور ملاحظہ فرمالیں،جس سے واضح طور پر معلوم ہوگا کہ حدیث مغفرت میں خاص وقت اور مخصوص گروہ کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے،تو گویا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسطنطنیہ پر پہلی بر چڑھائی کرنے والے لشکر میں شریک مجاہدین کو جنت و مغفرت کے لیے نامزد فرما کر اس بات کا اعلان فرما دیا کہ ان مجاہدین میں سے کوئی ایک شریک بھی زندگی کے مرحلے میں کسی ایسے فعل کا مرتکب نہ ہوگا،جس سے اس مغفرت والی پیشین گوئی کی سچائی و صداقت خطرے میں پڑ جائے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں مجاہدین کی مغفرت کے لیے کسی بھی طرح کی کوئی بھی شرط عائد نہیں گئی، بلکہ غیر مشروط طور پر فرمایا گیا کہ:

''میری امت کا وہ پہلا لشکر مغفرت یافتہ ہے جو پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا۔''

اب اس صاف صریح اور نامزد پیشین گوئی کے ذریعہ حاصل شدہ مغفرت سے امیر لشکر سیدنا یزیدؒ یا کسی دوسرے مجاہد کو کیونکر خارج کیا جا سکتا ہے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر مشروط اور لشکر کے ایک ایک فرد کو شامل بشارت میں اپنی طرف سے طرح طرح کی شرائط کا اضافہ کر کے، یا اپنی خواہش کے بل پر حاملینِ بشارت میں قطع و برید کرنے کے بعد بھی ارشاد نبوی پر ایمان کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ سے وحی پا کر اعلان فرمائیں کہ قسطنطنیہ پر پہلا جہاد کرنے والے تمام افراد مغفرت یافتہ ہیں۔ اور ایمان کا دعویٰ رکھنے والا کوئی شخص یہ کہے کہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والے اس جنتی لشکر کے امیر اور سپہ سالار سیدنا یزیدؒ ہی اس مغفرت میں داخل و شامل نہیں۔ کیونکہ اس جہاد کے بعد ان کے احوال بدل گئے تھے۔ اس لیے امیر یزیدؒ بن معاویہؓ جہاد قسطنطنیہ تک تو بشارت کے حقدار تھے لیکن اس کے بعد وہ بشارت و مغفرت کے مستحق نہ رہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیاں عام انسانوں، نجومیوں اور اٹکل پرستوں کی طرح ہرگز نہیں آپ نے جو پیشین گوئیاں فرمائیں اور کسی کے دوزخی وجنتی ہونے کا اعلان فرمایا وہ محض اپنے قیافے اور اندازے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی وارشاد کے مطابق فرمایا۔ اور چونکہ یہ ایک طے شدہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ماضی، حال، اور مستقبل کی تمام کیفیات واحوال سے ہر آن باخبر ہے۔ زمین وآسمان میں کوئی باریک سے باریک چیز بھی اس کے علم سے مخفی و پوشیدہ نہیں۔ وہ نہ صرف ظاہری چیزوں، بلکہ سینوں میں چھپے ہوئے ارادوں اور بھیدوں پر بھی مطلع ہے:

''ان اللہ لا یخفیٰ علیہ شیئٌ فی الارض ولا فی السمآء''

(سورہ آل عمران : ۳)

اس لیے اگر سیدنا یزیدؒ شروع ہی سے بدچلن ہوتے ۔ یا جہاد قسطنطنیہ کے بعد ان کے اعمال واحوال اس درجہ متغیر ہونے والے ہوتے کہ انہیں بشارت مغفرت ہی سے نکالنا پڑے گا، تو اس کا سب سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ کو ہوتا۔ پھر وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ایسی بشارت ہرگز نہ دلواتے جس کے عموم وشمول میں یزیدؒ بن معاویہؓ کی شرکت کا امکان رہ سکتا، بلکہ بشارت پیشین گوئی کے الفاظ میں کوئی قید یا شرط ایسی ضرور ہوتی جس سے استثناء کی گنجائش نکل سکتی، حالانکہ بشارت کے الفاظ میں ایسی کسی شرط کا ذکر موجود نہیں ہے اور اسی لیے قدیم وجدید مؤرخین ومحدثین کرام نے اس غیر مشروط بشارت میں جنتی لشکر کے سپہ سالار، سیدنا یزیدؒ کو واضح طور پر شامل قرار دیا ہے، جیسا کہ پچھلے اوراق میں نقل کردہ جوابوں میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

باین ہمہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ جہاد قسطنطنیہ تک تو مغفرت میں شریک رہے، لیکن بعد میں حالات کی تبدیلی کے باعث وہ مغفرت والی بشارت سے محروم شمار کیے جائیں گے، تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ایسا شخص درحقیقت کہنا یہ چاہتا ہے کہ:

> ''اللہ کو معلوم ہی نہ تھا کہ یزیدؒ جیسا غلط آدمی اس لشکر میں شریک ہوگا۔ یا اس جہاد کے بعد اس کے اعمال وکردار اسقدر بگڑ جائیں گے کہ ''بیک بینی ودوگوش'' اسے بشارت مغفرت سے نکال باہر کرنے کی ضرورت پڑ جائے گی، اگر واقعی اللہ کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا تو وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ پیشین گوئی

کراتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھتا کہ یزیدؒ بن معاویہؓ
بشارت مغفرت میں کسی طرح سے داخل نہ ہونے پائیں۔‘‘

ذرا ایمان وانصاف سے سوچیے کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسا فاسد وباطل اور سراسر بے بنیاد تصور بھی کر سکتا ہے؟ اگر یہ ایک واجب القبول حقیقت ہے۔ اور یقینا ہے، کہ اللہ تعالیٰ گذرے ہوئے زمانوں سے لے کر مستقبل کے آخری کناروں تک ہر ہر بات کا جاننے والا ہے تو پھر لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ جہاد قسطنطنیہ میں شریک تمام مجاہدین اور ان کے امیر وسپہ سالار، سیدنا یزیدؒ زندگی کے کسی بھی گوشے میں مغفرت والی بشارت سے محروم ہونے والے تھے، ورنہ ناممکن تھا کہ ذرہ ذرہ کائنات سے باخبر اللہ، انہیں اس طرح متعین کر کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی مغفرت وبخشش کی خوشخبری سے سرفراز فرماتا۔

جہاز سازی:

جس طرح سیدنا معاویہؓ نے اپنی خداداد ذہانت وصلاحیت کے ذریعہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلا بحری بیڑہ تیار کر کے اسلامی فتوحات اور جہادی سرگرمیوں کو نیا رخ دیا۔ اسی طرح آپ کے صاحب زادے سیدنا یزیدؒ نے جہاد قسطنطنیہ کے موقع پر سب سے پہلی مرتبہ ہوائی جہاز بنوا کر نہ صرف مسلمان بلکہ پوری دنیا کو ’’فضائیہ‘‘ سے آشنا کیا۔

چنانچہ مصر کے شیعہ مؤرخ ،علی جلال حسینی ۔ امریکی رسالت ابکرنٹ ہسٹری مطبوعہ جولائی سن ۱۹۲۸ء کے حوالہ سے ہوئی محکمہ ج۔ک سپنر کی تحقیق اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ:

''قسطنطنیہ کے محاصرہ کرنے والوں میں کسی مسلمان نے ایک ہوائی جہاز تیار کیا تھا لیکن جب اس پر اڑا تو تھوڑی دور تک مسافت طے کرنے کے بعد گر کر مر گیا''۔

(اردو ترجمہ ''الحسین'' جلد اول ص ۷۸)

امریکی افسریا شیعہ ناقل نے ہوائی جہاز کی تیاری وایجاد کو مجاہدین قسطنطنیہ میں سے کسی نامعلوم مسلمان کی طرف منسوب کر کے غالباً اپنے کسی ذہنی خلا کو بھرنے کی کوشش کی ہے ورنہ جہادی سرگرمیوں اور حربی کارروائیوں کے سلسلہ میں سیدنا یزیدؒ کی لگن اور دلچسپیوں کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ قلعۂ قسطنطنیہ کی بلند اور مضبوط فصیل تک رسائی حاصل کرنے کی غرض سے یہ فضائی پروگرام آپ ہی کی ہدایت کے مطابق تیار کیا گیا۔ اگرچہ انسانی تاریخ میں سب سے پہلی بار وقتی و ہنگامی طور پر تیار کیا جانے والا یہ ہوائی جہاز۔ ایک ابتدائی تجربہ تھا جو خاطر خواہ کامیاب نہ ہوسکا۔ تاہم یہ ماننا ہوگا کہ ''فضائیہ'' کی تاریخ میں یہی وہ پہلا بنیادی قدم ہے جس کی پیشقدمی کا شرف اسلامی بحریہ کے بانی وموجد سیدنا معاویہؓ کے قابل فخر فرزند سیدنا حضرت یزیدؒ کو حاصل ہے۔

امارتِ حج:

جہاد قسطنطنیہ سے فراغت کے بعد سن ۵۱، ۵۲ اور ۵۳ ہجری میں تین سال مسلسل سیدنا یزیدؒ نے امیر الحج کی حیثیت سے لوگوں کو حج کرائے۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''حج بالناس یزید بن معاویة فی سنة إحدی وخمسین

وثلثین وخمسین وثلاث وخمسین"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۲۲۹)

''امیر یزیدؒ بن معاویہؓ نے ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳ ہجری میں لوگوں کو حج کرایا''

شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری نے بھی سن ۵۱ ہجری کے احوال میں سیدنا یزیدؒ کی امارت حج کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

"وحج بالناس فی هٰذہٖ السنة یزید بن معاویة"

(طبری طبع ج/ ۶ ص/ ۱۶۱)

''امیر حج یزیدؒ بن معاویہ۔۔۔اس سال یزید بن معاویہؓ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا۔''

(تاریخ طبری اردو ج/ ۵ ص/ ۱۳۰)

امارت حج کا منصب صرف سیاسی وانتظامی حیثیت ہی سے نہیں۔ دینی و مذہبی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے اپنے نائب بطور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر فرمایا۔ سن ۱۰ ہجری، حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود امارت حج کے فرائض انجام دیے۔ حضرات خلفائے راشدین سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، اور سیدنا عثمان ذوالنورین اپنے اپنے عہد خلافت میں تقریباً ہر سال امیر الحج کی حیثیت سے مکہ معظّمہ تشریف لاتے رہے، البتہ جس سال حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت واقع ہوئی، اس سال آپ نے عجمی شورشوں اور ہنگامی آرائی کے پیش نظر عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا اور انہوں نے خلیفۂ راشد حضرت

عثمان غنیؓ کی طرف سے نائب ہو کر امارت حج کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ سیدنا علیؓ کو اپنے پورے آزمائش عہد میں ایک بار بھی خود حج کے لیے آنے کا موقع نہ مل سکا۔ علامہ ابن کثیرؒ (ج/۸ ص/۱۳۳) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے اپنے بیس سالہ دورِ خلافت میں دو مرتبہ خود امارت حج کے فرائض انجام دیے اور بقیہ برسوں میں آپ کے نائبین نے یہ مقدس فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ تین سال متواتر سیدنا یزیدؒ نے بھی امیر المؤمنین معاویہؓ کے نائب بطور امیر الحج کے منصب پر فائض رہ کر لوگوں کو فریضۂ حج ادا کرایا۔

قسطنطنیہ پر جہادی مہم کے بعد، تین سال مسلسل امارت حج جیسے اہم اور مقدس منصب پر فائض رہنا سیدنا یزیدؒ کی سیاسی و دینی صلاحیت و صالحیت کا ایسا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کے سامنے عجمی منافقوں اور نقاب پوش مجوسیوں کی طرف سے آپ پر لگائے گئے تمام الزامات تارِ عنکبوت ہیں۔ اگر بقول منافقین عجم، سیدنا یزیدؒ کے کردار میں کوئی خامی وخرابی ہوتی جس کے سبب آپ اپنے ہم عصر لوگوں کی نگاہ میں غیر صالح اور ناپسندیدہ ہوتے تو حضرات صحابہ اور دیگر تابعین جہاد قسطنطنیہ میں آپ کی قائدانہ صلاحیت اور اس کے بعد تین سال تک متواتر آپ کی زیر قیادت حج جیسا اہم اسلامی رکن ادا کر کے آپ کی دینی صالحیت پر کیوں مہر تصدیق ثبت کرتے۔ قائد جہاد قسطنطنیہ و امیر حج سیدنا یزیدؒ کے فن پر سبائی فنکاروں کے لگائے ہوئے داغ، دھبوں کو مان کر ان بے شمار صحابہ اور قرن اول کے تابعینؒ کی عظمت کا تحفظ کیسے ممکن ہے جنھوں نے ان موقعوں پر آپ کی ہدایات پر عمل کیا۔ آپ کی قیادت میں مناسک حج ادا کیے۔ آپ کے مواعظ وخطبات میں باالتزام حاضر رہے اور آپ ہی کی امامت میں صلوۃ پنجگانہ پڑھیں۔

ولی عہدی

- پس منظر
- سبائی افتراق انگیزی
- حضرت مغیرہؓ کی تحریک
- نمائندہ اجلاس
- اجماعی بیعت
- امّہات المومنینؓ
- اصحابہ عشرہ مبشرہؓ
- اصحابہ بدرؓ
- اصحابہ بیعت رضوانؓ
- دیگر صحابۂ کرامؓ

ولی عہدی

پس منظر:

خلیفۂ سوم، دامادِ نبی، رفیق رسول، سیدنا، سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ اور دردناک شہادت کے بعد بلوائیوں اور قاتلوں نے سوچے سمجھے پرگرام کے ماتحت، اپنے اثر وطاقت کے بل پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قیام کا اعلان کیا، اوراہل مدینہ کے معزز ومحترم کوزبردستی بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے مالک اشتر نامی ایک شخص نے بیعت کی جو سیدنا امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش وہنگامۂ قتل میں پیش پیش تھا۔

مشہور مصری مورخ علامہ خضری بک تحریر فرماتے ہیں:

''کوفیوں کا کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے اشترؔ نے بیعت کی''

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ مطبوعہ مصر ج/ ۲ ص/ ۴۸)

شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

''لوگ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر لائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تم بھی بیعت کرو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب

سب لوگ بیعت کو لین گے تو میں بھی بیعت کرلوں گا۔اس کے بعد لوگ عبداللہ بن عمرؓ کو پکڑ کر لائے جب حضرت علیؓ نے ان سے بیعت کے لیے کہا تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت سعدؓ نے دیا تھا اس پر حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ اپنا کوئی ضامن پیش کرو، ابن عمرؓ نے فرمایا، میرے پاس کوئی ضامن نہیں ہے۔اشتر نخعی نے کھڑے ہوکر عرض کیا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اتاردوں''۔

(تاریخ طبری اردو ج/۴ ص/۲۸)

یہی علامہ طبری صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

''جب لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو انہوں نے حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلوایا طلحہؓ نے بیعت کے پس وپیش کیا مالک اشتر نخعی تلوار کھینچ کر کھڑا ہوگیا اور بولا خدا کی قسم اے طلحہ ! یا تو بیعت کر لے ورنہ میں یہ تلوار تیری پیشانی میں بھونک دوں گا۔اس کے بعد انہوں نے علیؓ کی بیعت کی پھر زبیرؓ نے بیعت کی''۔

(تاریخ طبری ج/۴ ص/۲۹)

حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد میں ان شر پسند بلوائیوں کی شرکت وتسلط اور پھر حصول بیعت کے لیے نہ صرف عام لوگوں بلکہ اکابر صحابہؓ تک پر اس قدر شدت وسختی کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرات صحابہ کی بڑی تعداد اور امت مسلمہ کی ناقابل تسخیر اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیعت خلافت سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔اور پھر نوبت

یہاں تک جا پہنچی کہ آپ کا ساڑھے چہار سالہ دور اندرونی خلفشار، طوائف الملوکی اور حصول استحکام حکومت کے لیے کشت وخون اور قتل و غارت گری کے نذر ہو گیا۔ خدمت دین، اسلامی فتوحات، تمکین فی الارض، باہمی الفت و بھائی چارگی اور امن واطمینان کی وہ تمام نعمتیں خانہ جنگیوں کی بھینٹ چڑھ کر رہ گئیں جو حضرت خلفائے ثلاثہؓ کے عہد مبارک میں مسلمان قوم کو حاصل تھیں اور جنہیں آیت استخلاف میں خلافت راشدہ کے لازمی شرائط اور خصوصی اوصاف کے طور پر بیان کیا گیا ہے:

"وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ"

(سورۃ النور:۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا، اس سے ان کے واسطے قوت دے گا، اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا، (بشرطیکہ) وہ میری عبادت کرتے رہیں میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور اس کے بعد بھی انکار کریں وہ ہی لوگ نافرمان ہیں''۔

بقول امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ :

''مقاتلات وے برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام''

(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۳۹۸)

''یعنی آپ کی تمام جنگیں طلب خلافت کے لیے ہوئیں نہ کہ اسلام کی خاطر چنانچہ سیدنا علیؓ کے عہد حکمرانی میں نہ کفار سے جہاد ہوئے اور نہ ہی اسلامی فتوحات وخدمات میں کسی قسم کا اضافہ ہوسکا، البتہ سبائی منافقین کے بپا کردہ شر وفتن سے بھرے دور میں تین مرتبہ ہلاکت خیز خانہ جنگیوں کا مظاہرہ ہوا جن میں پانی کی طرح بہائے جانے والا ''مسلم خون'' آج بھی فریاد کناں ہیں۔ بِاِیِ ذنب قتلت

جمادی الآخرہ سن ۳۶ ہجری جنگ جمل کے موقع پر امام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے قافلہ پر شب خون کے ذریعہ جنگ مسلط کی گئی، جس کے نتیجہ میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے صفر سن ۳۷ ہجری میں صفّین کے مقام پر کاتب وحی سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کے خلاف فوج کشی کی گئی، جس میں ساٹھ، ستّر ہزار انسانوں کا خون بہا سن ۳۹ ہجری جنگ نہروان ہوئی، جس میں برادرکشی سے تنگ آئے ہوئے جنگ سے کنارہ کش ان ڈھائی ہزار سے زائد افراد کو بقول علامہ طبری اڑسٹھ ہزار کی علوی فوج نے موت کے گھاٹ اتار دیا، جنہیں عام طور پر خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن اس قدر عظیم خونریزی اور بے مہابا قتل عام کے باوجود حکومت وخلافت کو استحکام نہ مل سکا، اور نہ ہی مسلمانوں کو اجتماعیت وسکون کی دولت نصیب ہوسکی۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ ارقام فرماتے ہیں:

"فان كثيراً من المسلمين اما النصف و اما اقل

اوا کثر لم یبایعوہ ولم یبایع سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیر ھما"

(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۳۷)

''مسلمانوں کی کثیر تعداد میں یعنی نصف ملت میں یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے ان کی بیعت نہیں کی، نہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اور نہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اور نہ کسی دوسرے نے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے مزید لکھتے ہیں:

"فان الثلاثة اجتمعت الامة علهم فحصل بهم مقصود الا مامة وقوتل بهم الكفار وفتحت الامصار وخلافة عليٍ لم يقاتل فيها كافر ولا فتح مصر وانما كان السيف بين اهل القبلة"

(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۴۵)

''حضرات خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، احضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کی خلافت پر پوری امت کا اتفاق واجماع تھا اس لیے ان کے ذریعہ خلافت کا مقصود حاصل ہوگیا تھا ان کے زمانے میں کفار سے جہاد ہوئے، اور بہت سے شہر فتح کیے گئے، بہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ، کہ ان کے دور میں نہ کافروں سے جہاد ہوا، نہ ہی کوئی علاقہ فتح ہوسکا بلکہ مسلمانوں ہی میں تلوار چلتی رہی''۔

ایک اور مقام پر یوں تحریر فرماتے ہیں:

"لم یظھر فی خلافتہٖ دین الاسلام بل وقعت الفتنة بین اھلہٖ وطمع فیھم عدوھم من الکفار والنصاریٰ ولمجوس بالشام والمشرق"

(منہاج السنۃ ج/۲ ص/۱۳۸)

''حضرت علیؓ کے دور میں دین اسلام کو شوکت وعظمت نہ مل سکی، بلکہ مسلمانوں ہی میں فتنہ وفساد برپا رہا، روم وایران کے کفار، مجوس اور عسائیوں کو مسلمانوں کے تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی''

شیعہ مؤرخ علامہ ابن ابی الحدید، اپنے شیخ ابوجعفر الاسکافی سے نقل کرتے ہیں:

"کان اھل البصرة کلھم یبغضونہ، وکثیرٌ من اھل الکوفة وکثیرٌ من اھل المدینة وامام اھل مکة کانوا یبغضونہ قاطبةً وکانت قریش کلھا علی خلافہٖ وکان جمھور الخلق مع بنی امیة علیہ وروی عبدالملك بن عبدالرحمن بن ابی بکرة قال سمعت علیاً وھو یقول مالقی احد من الناس مالقیت ثم بکیٰ"

(شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، بحوالہ تحقیق مزید ص/۹۶)

''بصرے کے تمام اور کوفہ ومدینہ کے اکثر باشندے حضرت علی

ؓ سے متنفر تھے، نیز تمام اہل مکہ ان سے متنفر اور تمام قریش ان کے مخالف تھے، غرض یہ کہ جمہور امت ان کے مقابلہ میں بنی امیہ کے طرفدار تھے عبدالملک بن امیر، عبدالرحمن بن ابی بکرہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انسانوں میں سے کسی کو بھی وہ برائی پیش نہیں آئی جو مجھے آئی۔ یہ کہہ کر آپؓ رونے لگے''

بالآخر سن ۴۰ ہجری میں حضرت علیؓ اپنی ہی سیاسی پارٹی کے ایک رکن عبدالرحمن بن ملجم کے ہاتھوں شہید کردیے گئے۔ سیدنا علیؓ نے زخمی ہونے کے بعد اپنے بڑے صاحب زادے سیدنا حسنؓ کو نماز کے لیے اپنا جانشیں ونائب مقرر کیا، اس زمانہ میں نماز کی نیابت آئندہ خلافت کے لیے جانشینی خیال کی جاتی تھی، شیعہ محقق ملاباجر مجلسی ایرانی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف صلوٰۃ پنجگانہ کی نیابت پر مقرر فرما کر، بلکہ اپنے بعد نامزد خلیفہ کی حیثیت سے واضح اعلان کر کے حضرت علیؓ نے باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی وولی عہدی کا سلسلہ شروع کیا۔

''کلینی وابن بابویہ وشیخ مفید اور جملہ محدثین نے بطریق بسیار امام حسن وامام موسیٰ کاظم وسلیم بن قیس ہلالی سے روایت کی ہے کہ وقت وصیت جناب امیرؑ نے تمام فرزندوں واہل بیت اور اپنے مردانے شیعہ کو جمع فرمایا۔ اور امام حسنؓ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا''۔

(جلاء العیون اردو ج/۱ص/۲۶۹، ۳۳۳)

وفات سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو نصیحت کی:

''میرے مرنے کے بعد حضرت معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا، ان کے امیر المؤمنین ہو جانے سے کراہت محسوس نہ کرنا، کیونکہ ان کو بھی تم نے گنوا دیا تو اختلاف وانتشار کے تلخ ترین نتائج بھگتنا پڑیں گے''۔

(ابن ابی الحدید ج/۳ ص/۳۶ وغیرہ)

تاریخ ابن کثیرؒ میں ہے کہ آپ نے صفین سے واپسی کے بعد عام تقریر میں بھی یہ کہا تھا کہ:

"ایها الناس لا تکرهوا امارة معاوية فانکم لو فقدتموه رأيتم الرؤس تندر عن کو اهلها کا نّها الحنظل"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۳۱)

''اے لوگو! معاویہؓ کی امارت سے کراہت نہ کرنا، کیوں کہ اگر تم نے ان کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر اندرائن کی مانند کٹ کٹ کر گریں گے''۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

"ان معاوية سيلى الامر، فوالله لو سرنا اليه بالجبال والشجر ماسككت انه سيظهر، ان الله لا معقب لحكمه ولا رادّ لقضائه"

(الامامۃ والسیاسۃ ج/۱ ص/۱۶۴)

''حضرت معاویہؓ عنقریب خلیفہ ہو کر رہیں گے، خواہ ہم کتنی ہی

پہاڑ اور درختوں جیسی بڑی فوج لے کر ان کے مقابلے کو نکلیں،
لیکن رہی غالب رہیں گے، کیونکہ منشائے خداوندی کو ٹالا نہیں
جا سکتا''۔

بہر حال سیدنا علیؓ کی نامزدگی اور ہدایات کے مطابق، ان کے انتقال کے بعد اہل کوفہ نے سیدنا حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔لیکن حضرت حسنؓ عجمی مفسدین کی اسلام دشمن ریشہ دوانیوں اور خاندان رسالت کی آڑ میں ان کے انتقامی پروگرام سے باخبر ہو چکے تھے، اس لیے انہوں نے امت کی بہتری و اجتماعیت، نیز علوی دور کی سیاست پر مسلط عجمی فتنہ پردازوں کی غیر صالح کارروائیوں کے پرے نتائج سے مسلم قوم کے مستقبل کو بچانے کی خاطر، نیز حضرت علیؓ کی آخری وصیت ونصیحت پر عمل کرتے ہوئے اس منشائے خداوندی اور نوشتۂ تقدیر کے سامنے سرخم کر دیا، جس کا اعلان بہ انداز پیشینگوئی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے ان الفاظ میں فرما دیا تھا کہ:

''رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ
معاویہؓ خلیفہ نہ ہو جائیں''۔

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۳۱)

چنانچہ چھ ماہ بعد آپ نے جری و امین، کاتب قرآن، سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی، گویا اس طرح حضرت حسنؓ نے اپنے والد بزرگوار حضرت علیؓ سے ملنے ۔۔۔۔اور امین سمجھ کر ان کے حوالے کر دی۔ اس طرح خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد سے انتشار واختلاف اور برادرکشی وخانہ جنگی کی وہ اندوہناک کیفیت ختم ہو گئی، جس سے بدل

اور پریشان ہو کر سیدنا علیؓ اپنے لیے موت کی تمنا طرفداروں کے لیے یوں بدعا فرمایا کرتے تھے:

"اللهم انی قد مللتهم وسئمتهم وسئمونی فابدلنی بهم خیراً منهم وابدلهم لی شراً منیّ، اللهم مث قلوبهم کما یماث الملح فی المآء"

(نہج البلاغہ، مطبوعہ مصر ج ۱/ص ۶۱)

''اے اللہ! میں نے انہیں ملول اور تنگ کر دیا اور انہوں نے مجھے میرے لیے ان سے بہتر لوگ بدل دے اور ان کے لیے مجھ سے بدتر شخص بدل دے۔ اے اللہ! ان کے دلوں کو گھلتے ہوئے نمک کی مانند پگھلا دے''۔

"قاتلکم الله لقد ملأتم قلبی قیحاً وشحنتم صدر غنیظاً وجرعتمونی نعب التهام انفاساً، افسدتم علیّ رأی بالعصیان والخذوالخذلان حتیٰ قالت قریش ان ابن ابی طالب رجل شجاع ولکن لا علم له بالحرب"

(نہج البلاغہ ج ۱/ص ۶۶)

''اللہ تمہیں برباد کرے، تم نے میرا دل پیپ اور میرا سینہ غصہ سے بھر دیا اور تم نے مجھے مسلسل غم دیے اور نا فرمانی ونقصان سے میری رائے خراب کی حتیٰ کہ قریش کہنے لگے کہ ابوطالب کا بیٹا (علی) آدمی تو بہادر ہے لیکن جنگی معاملات میں لاعلم ہے''۔

"لو ددت ان اللہ وبینکم الحقنی بمن ھو احق بی منکم"

(نہج البلاغہ ج/ا ص/۲۲۸)

''میری دلی تمنا ہے کہ مجھے اللہ تم سے جدا کردے اور مجھے ان لوگوں سے ملادے جو میرے تم سے زیادہ حقدار ہیں''۔

سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے انعقاد پر برسوں سے قائم خانہ جنگی ختم ہوگئی۔ تمام صحابہ اور دیگر سب ہی لوگوں نے بلا اختلاف آپ کو خلیفۂ برحق اور واجب الاطاعت امام تسلیم کرلیا، اسی مناسبت سے سن ا۴ ہجری کا یہ سال مختصر یہ کہ امیرالمؤمنین سیدنا معاویہؓ نے اپنے بیس سالہ عہد خلافت میں نہ صرف اسلام اور مسلمان بلکہ انسانیت کو بھرپور فائدہ پہنچایا، تسخیر و جہانگیری اور حکمرانی و جہانبانی کے اعلیٰ ترین مظاہر کے علاوہ آپ نے حق وصداقت، عدل وانصاف اور امن وعافیت کا وہ معیار نظام قائم کیا جو صرف اس دور کے لیے ہی انفع وانسب نہیں، ہمعصر صحابہؓ وتابعین اور بعد کے اہل انصاف کی تحسین وآفرین کا بجاطور پر مستحق بھی تھا۔

حضرت قبیصہؓ بن جابری اسدی فرماتے ہیں کہ:

''میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہا ہوں، میں نے ان سے بڑھ کر محبوب دوست اور ظاہر و باطن کو یکساں رکھنے والا کسی دوسرے کو نہیں دیکھا''۔

(تاریخ طبری اردو ج/۵ ص/۱۷۴)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو حضرت معاویہؓ سے بڑھ

کر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔‘‘

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۳۳)

امام اعمشؒ فرماتے ہیں کہ:

’’اگر تم حضرت معاویہؓ کا زمانہ دیکھ لیتے تو تم کو معلوم ہوتا کہ حکمرانی اور انصاف کیا چیز ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا، آپ ان کے حلم کی بابت کہہ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، نہیں اللہ کی قسم ان کے عدل کی بابت کہہ رہا ہوں‘‘۔

(العواصم ص/۳۳۳، المنتقیٰ ص/۲۳۳)

برسوں کی خانہ جنگی وانتشار اور جمل وصفین اور نہروان وغیرہ جنگوں میں لاکھ کے قریب مسلمانوں کے اتلاف کے بعد۔ مسلسل جد وجہد اور دن، رات جانفشانی سے حاصل شدہ امن وسلامتی، اتفاق واتحاد اور ترقی وسربلندی اسلام کا یہ مبارک دور سیدنا معاویہؓ کے بعد پھر سیاسی طبع آزمائیوں کی قربانگاہ پر ذبح ہونے کے لیے یونہی چھوڑ دیا جائے یا اس کے قیام ودوام اور تحفظ کے پیش نظر قبل از وقت کوئی ایسا بندوبست کیا جانا چاہیے، تاکہ عہد علوی سی سابقہ تباہ کاری وہلاکت سامانی سے اسلام اور مسلمان قوم آئندہ دوچار نہ ہو۔ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ایک مرتبہ خود، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اپنی بے چینی کا ان لفظوں میں اظہار فرمایا تھا:

’’انی خفت ان اذر الرعیۃ من بعدی کالغنم المطیرۃ لیس لھا راعٍ‘‘

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۸۰)

’’مجھے ڈر ہے کہ میں قوم کی بکریوں کے پراگندہ گلے کی طرح

چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو''۔

یہ تھا وہ چیلنج اور وقت کا اہم ترین تقاضا جو سیدنا معاویہؓ کے عہد اخیر میں اکابر صحابہؓ کو بے چین کیے ہوئے تھا۔ اور وہ اسے حل کرنے میں سرگرداں وکوشاں تھے۔ وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے اپنی وفات سے سیدنا اکبرؓ کو مصلی امامت پر فائض فرما کر عملاً انہیں اپنا جانشین ونائب مقرر فرمایا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے حضرت عمر فاروق اعظمؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور سیدنا فاروق اعظمؓ نے بحالت زخمی چھ افراد پر مشتمل انتخابی کمیٹی نامزد کی، یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ ہر پیش رو کے بعد حصول اقتدار کی رسہ کشی کے امکانات کو حتیٰ المقدور روک دیا جائے، لیکن سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کو اس طرح کی کوئی تدبیر اختیار کرنے کا موقع نہ مل سکا، یا یوں کہہ لیجیے کہ ان شر پسند صرنے جو ایک سوچے سمجھے منصوبے اور طے شدہ پروگرام سے یہ شورش وہنگامہ کھڑا کیے ہوئے تھے، ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ''اسلامی خلافت'' کے مستقبل کے تحفظ سے متعلق کچھ نا تو در کنار، سوچنا بھی ممکن نہ رہا تھا۔ بنا بر ایں اب بھی اگر وقت سے پہلے توجہ نہ کی گئی تو عین ممکن ہے کہ تاریخ ایک بار پھر ان حالات وکوائف کا اعادہ کرے جن کے بدنتائج کی کسک رہتی دنیا تک محسوس کی جاتی رہے گی۔

سبائی افتراق انگیزی:

حضرت حسنؓ کی سپردگئی خلافت کے بعد، کوفہ کے سازشی لوگوں کی سرگرمیاں یکدم سرد پڑ گئیں۔ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی انتظامی صلاحیت، دوررس بصیرت اور بیدار مغزی۔ اور آپ کی حکومت کے چاق چوبند، مخلص اور زمہ

دار افسران وعمّال کی اعلیٰ کارکردگی نے ان کے حوصلے پست اور دم، خم ڈھیلے کردیے تھے، اس لیے سیدنا معاویہؓ کی بیس سالہ خلافت راشدہ کے دوران انہیں کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ بچے کھچے مفسد عناصر نے زیر زمین، خفیہ مشن کی صورت اختیار کر لی، جس کے اراکین وقتاً فوقتاً حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اس اتحاد آفرین اور امن پرور صلح پر شرم و عار دلاکر معاہدہ صلح ختم کرنے اور ایک بار پھر جنگ جدال پر آمادہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔ چنانچہ سپردگی خلافت کے بعد سبائی پارٹی کے ممتاز لیڈر ''حجر بن عدی'' نے حضرات حسینؓ سے یکے بعد دیگرے ملاقات کی اور انہیں صلح کی اس کاروائی پر سخت سست کہہ کر کوفہ وغیرہ مقامات سے فوج فراہم کرنے کی پیشکش کی، لیکن حضرات حسنین کریمین رحمہا اللہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ سبائی لیڈر حجر بن عدی کی گفتگو اور اس پر حضرت حسینؓ کا جواب قدیم مؤرخ ابوحنیفہ دینوری المتوفی سن ۲۸۲ھ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''اے ابوعبداللہ (یعنی حسین)! آپ لوگوں نے عزت کے بدلے ذلت خرید لی، قلیل کو قبول کرلیا اور کثیر کو چھوڑ دیا، اے حسین آج ہماری بات مان لیں اور دنیا کا حکم رد کر دیں، حسنؓ کو بھی چھوڑ دیں اور ان کی اس رائے کو بھی جو انہوں نے لڑائی کے بارے میں اختیار کی ہے، کوفہ اور دیگر مقامات میں رہنے والے اپنے (شیعوں) کو اکٹھا کرلیں، مقدمے پر مجھے اور میرے اس ساتھی کو مامور کر دیں۔ ابن ہند (معاویہ) جو پتہ اس وقت چلے گا جب ہم تلواریں سونتے اس پر ہلّہ بول چکے

ہوں گے ۔مگر حضرت حسینؓ نے جواب دیا، ہم بیعت کر چکے
اور عہد دے چکے اب بیعت توڑی نہیں جاسکتی‘‘۔

(الاخبار الطوال، اردو ص/ ۳۹۸)

قدیم وجدید مؤرخین کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ جب سیدنا حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کا ارادہ کیا اس وقت ان کے چھوٹے بھائی سیدنا حسینؓ، اس فیصلے سے متفق نہ تھے اور اس ارادہ پر انہوں نے اپنے برادرِ بزرگ سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا، لیکن سیدنا حسنؓ نے سختی سے پیش آ کر انہیں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"وقد لام الحسين لاخيه الحسن على هذا الرأى فلم يقبل منه"

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۱۶)

’’حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حسنؓ کو اس صلح کے ارادیت پر ملامت کی، لیکن انہوں نے ان کی بات نہ مانی‘‘۔

’’حسین اور عبداللہ بن جعفر سے حسنؓ نے ذکر کیا کہ میں معاویہؓ کو صلح کے لیے لکھ چکا اور امان مانگ لی ۔ یہ سن کر حسین نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ معاویہ کی بات آپ تصدیق اور علیؓ کی بات کی تکذیب نہ کریں، حسن نے جواب دیا خاموش! میں اس باب میں تم سے زیادہ جانتا ہوں‘‘۔

(تاریخ طبری، اردو ج/ ۵ ص/ ۲۵)

علامہ ابن کثیرؒ ارقام فرماتے ہیں:

"فلما آلت الخلافة الیٰ اخیه واراد ان یصالح، شق ذٰلك علیه ولم لیسدد رأی اخیه فی ذٰلك ۔ بل حثه علی قتال اهل الشام، فقال له اخوه، والله لقد هممت ان اسجنك فی بیت واطبق علیك بابه حتی افرغ من هذاالشأن ثم اخرجتك فلمّا رأی الحسین ذٰلك سکت وسلّم"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۰)

''جب ان کے بھائی (حسن) کو خلافت ملی اور انہوں نے مصالحت کا ارادہ کیا، تو یہ بات حضرت حسینؓ کو گراں گذری، انہوں نے اس سلسلہ میں بھائی کی رائے کو درست نہ مانا، بلکہ اہل شام سے جنگ کرنے پر زور دیا۔ اس پر حسنؓ نے کہا کہ بخدا میں تم کو گھر میں قید کر کے، اس کا دروازہ اس وقت تک بند رکھوں گا، کہ معاہدہ صلح سے فراغت پا جاؤں۔ اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا، حسنؓ نے اپنی حالت دیکھی تو خاموش ہوکر بھائی کی بات مان لی''۔

عصر جدید کے مصری مؤرخ ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

"ان الحسین بن علی لم یکن یریٰ رأی اخیه ولا یقر میله الیٰ السلم وانه التح علی اخیه فی ان یستمسك ویمضی فی الحرب ولٰکن اخاه امتنع رانذره ان

یوضعه فی الحدید ان لم یطعه"

(علیؓ بنوہ ص/ ۱۰۳)

''حضرت حسینؓ خدا کی ان پر رحمت ہو، اپنے بھائی کے ہم خیال نہ تھے ان کا رجحان صلح کی طرف نہ تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اور اصرار کیا کہ ضبط سے کام لیں اور جنگ بدستور جاری رکھیں، لیکن بھائی نے انکار کر دیا اور دھمکی دی کہ اگر اطاعت نہ کی تو پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں گا''۔

(حضرت علیؓ، اردو ص/ ۵۰۲)

ان ہی مؤرخین کی مرتب کردہ تاریخی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھائی کے ڈانٹنے ڈپٹنے سے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن کوفہ کے پرانے تجربہ کار سیاسی لیڈروں اور سبائی پارٹی وعلوی تحریک کے مفسد نمائندوں نے ترغیب وترہیت کے ایسے ''مجرب نسخے'' استعمال کیے کہ بالآخر سیدنا حسینؓ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک آپ معاہدۂ صلح پر قائم رہیں اور قطعاً اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔ لیکن چونکہ اس صلح کا تعلق صرف امیر المؤمنین معاویہؓ کے ساتھ ہے اس لیے ان کے انتقال تک کوئی شور وشر اور ہنگامہ ومحاذ آرائی نہ کی جائے۔ البتہ ان کے بعد کسی نئے سیاسی وتنظیمی فارمولے پر پورے غور وخوض کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔

مؤرخ ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ مدینہ آ کر ملنے والے ایک کوفی وفد سے دوران گفتگو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ:

''اب چاہیے یہ کہ آپ میں سے ہر شخص خانہ نشین ہو جائے اور

اس وقت تک خانہ نشین رہے جب تک یہ صاحب (معاویہؓ)
زندہ ہیں''۔

(الاخبار الطوال ص ر ۳۹۸)

ان ہی دینوری صاحب کا بیان ہے کہ جعد بن ہبیر بن ابی وہب نامی مخلص ترین دوست اور ہوا خواہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کی وفات کے سلسلہ میں تعزیتی خط حضرت حسینؓ کو موصول ہوا جس میں لکھا تھا:

''امابعد! آپ کے شیعہ جو ہمارے متوسل ہیں آپ کی طرف گردن اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔ وہ کسی کو آپ کا ہمسر نہیں جانتے۔ وہ آگاہ ہیں کہ آپ کے بھائی حسنؓ کی لڑائی ٹالنے سے متعلق آپ کی کیا رائے تھی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں آپ اپنے دوستوں کے حق میں کتنے مہربان ہیں اور دشمنوں کے بارے میں کس قدر سخت گیر ہیں۔ نیز یہ کہ آپ احکام الٰہی کے معاملے میں کس درجہ متشدد ہیں لہٰذا اگر آپ ''خلافت'' کے طالب ہیں تو ہمارے پاس چلے آیئے، ہم آپ کے ہمراہ جان دے دینے پر بالکل تیار ہیں۔

حضرت حسینؓ نے جواباً تحریر کیا کہ:

''جہاں تک میرے بھائی کا تعلق ہے میں اس خیال کا حامل ہوں کہ انہیں خدا کی توفیق حاصل تھی اور آگے بھی خدا ان کا مددگار رہوگا جہاں تک میرا تعلق ہے ابھی اس رائے کا مالک نہیں، خدا تم پر رحم کرے۔ جب تک معاویہؓ زندہ ہیں زمین کے

ساتھ چپکے رہو، اپنے گھروں میں چھپے رہو، اور اپنے آپ کو بدگمانی و وہم کا تختہ مشق نہ بناو۔ میرے جیتے جی خدا معاویہؓ کو کسی حادثے سے دوچار نہیں کرے گا میں نے۔ میں نے اپنا عندیہ تمھیں تحریر کر دیا، والسلام"۔

(الاخبار الطوال ص/۳۹۹،۴۰۰)

کوفہ کے سرکردہ سبائی لیڈر سلیمان بن صرد سے ملاقات کے دوران حضرت حسینؓ نے کہا:

"لیکن کل رجل منکم جلسا من اجلاس بیته مادام معاویة حیاً فانها بیعة کنت والله لها کارهاً فان هلك معاویة نظرنا ونظرتم ورأینا ورأیتم"

(الامامة السیاحه ج/۱ص/۱۶۵)

"تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں اس وقت خاموشی سے بیٹھا رہے جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں، قسم بخدا! میں نے ان کی بیعت خوش دلی سے نہیں کی۔ اگر معاویہؓ وفات پا جائیں تو پھر ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی غور کرنا۔ ہم بھی رائے قائم کریں گے تم بھی کوئی رائے قائم کرنا"۔

داستان کربلا کی واہی تباہی تفصیلات کے بانی و موجد، شیعہ مؤلف ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی لکھتے ہیں کہ سلیمان بن صرد، عبدالرحمن بن جندب ازدی، مسیب بن نجبہ اور سعید بن عبداللہ حنفی وغیرہ کوفی نمائندہ کے وفد سے باتیں کرتے ہوئے، حضرت حسینؓ نے کہا:

''بخدا! میں موت پر دل سے راضی تھا تا آنکہ میرے بھائی حسن نے مجھ پر زور دیا اور خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ نہ میں کوئی اقدام کروں اور نہ سکون میں کسی طلاطم کا سبب بنوں، اس لیے میں نے ان کی بات تو مان لی۔ مگر لگتا ایسا ہے کہ جیسے کوئی کاٹنے والا چھریوں سے میری ناک کاٹ رہا ہے، یا نشتروں سے میرا گوشت چھید رہا ہو۔ گویا میں نے جوان کی بات مانی ہے تو مجبوراً۔۔۔۔۔۔اب چونکہ صلح ہوگئی ہے اور بیعت کر لی ہے اس لیے ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب تک یہ شخص (یعنی حضرت معاویہؓ) موجود ہیں، جب وہ مر جائے گا تو ہم بھی دیکھیں گے اور تم بھی دیکھو گے''۔

(مقتل الحسینؓ اردو ص ر ۴۷)

شیعہ محقق ملا باقر ایرانی مجلسی کا بیان ہے کہ:

''شیخ کشی نے روایت فرمائی ہے کہ مروان، معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھے۔ انہوں نے معاویہؓ کو لکھا کہ مجھ سے عمر بن عثمان نے بیان کیا ہے کہ ایک گروہ عراقی وحجازی امام حسینؓ کے پاس آمد ورفت رکھتے ہیں اور ان کو طمع خلافت دلاتے ہیں، مجھے خوف ہے کہ کہیں فتنہ وفساد برپا نہ ہوجائے، اب مجھے جو حکم ہو، اس کی تعمیل کروں۔ معاویہؓ نے مروان کو لکھا تمہارا خط میرے پاس آیا جو کچھ اس میں مفہوم تھا معلوم ہوا تم ہرگز معترض امام حسین نہ ہونا اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں تم

بھی ان سے علاقہ نہ رکھنا کہ جب تک وہ میری بیعت پر وفا کریں گے ان کا معترض نہ ہوں گا‘‘۔

(جلاء العیون، اردو ج/ ۲ ص/ ۲۷)

ملا مجلسی نے بتایا کہ اس موقع پر سیدنا معاویہؓ نے ایک خط سیدنا حسینؓ کو لکھا، جس کا مضمون یہ تھا:

’’آپ کے کئی امور مجھے دریافت ہوئے، اگر وہ درحقیقت سچ ہیں، لازم ہے کہ انہیں ترک کیجیے۔ اس لیے کہ جس نے خدا سے عہد پیمان کیا ہے اسے لازم ہے کہ اپنے عہد و پیمان پر وفا کرے اور جو کچھ میں نے سنا ہے باطل ہے ہرگز آپ ان امور کے پابند نہ ہوں گے، آپ کو لازم ہے کہ آپ اپنے امور کا خیال اور عہد و پیمان پر وفا کریں اور جب آپ عہد شکنی کریں گے تو میں بھی عہد شکنی کروں گا اور اگر آپ مکر کریں گے میں بھی آپ سے مکر کروں گا۔ آپ امت کے اجتماع کو برہم نہ کیجیے اور موجب حدوثِ فتنہ نہ ہوجیے کیوں کہ آپ لوگوں کو پہنچاتے ہیں اور امتحان کر چکے ہیں پس اپنے اوپر رحم اور اپنے دین اور اپنے جد کی امت پر رحم کیجیے۔ بے خرد اور احمقوں سے دھوکہ نہ کھایئے‘‘۔

(جلاء العیون، اردو ج/ ۲ ص/ ۲۷)

اس سے ملتا جلتا مضمون ابو مخنف اور ابو حنیفہ دینوری نے بھی ’’مقتل حسین‘‘ اردو ص/ ۴۹ اور ’’الاخبار الطوال اردو ص/ ۴۰۴ میں نقل کیا ہے۔

مندرجہ بالا تاریخی بیانات سے بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عجمی مفسدین اور سبائی منافقین نے مسلمان قوم کو ایک بار پھر خانہ جنگی کی آگ میں جھونکنے کے لیے نہ صرف پروگرام ہی مرتب کیا بلکہ اس لیے خفیہ طور پر ہر ممکنہ تیاری بھی کر لی تھی حضرت معاویہؓ کی وفات کا انتظار تھا کہ جیسے ہی ان کی آنکھیں بند ہوں اور یہ پوری قوت وشدت کے ساتھ خم ٹھونک کر میدان میں آموجود ہوں پروگرام کا یہ پہلو کتنا پر پیچ اور اہل اسلام کے لیے کس قدر امتحان و پریشانی کا باعث تھا کہ قبل ازیں جس طرح انہوں نے اپنی اسلام دشمن دنتقامی کارروائی کے لیے حضرت علیؓ جیسے محترم شخص کو آڑ بنایا تھا بالکل اسی طرح اب کی مرتبہ ان کے چھوٹے فرزند حضرت حسینؓ کو اس کٹھن آزمائش کے لیے منتخب کیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ گوشہ اپنے اندر حیرت واستعجاب اور غم واندوہ کی ہزاروں پیچیدگیاں لیے ہوئے ہے کہ۔ اپنے والد ماجد کے ساتھ رہ کر ان کے ساڑھے چار سالہ پرفتن وآزمائشی عہد میں ان مفسدین کی ''مسلم عداوت'' کا برملا وعلانیہ مشاہدہ کر لینے اور ان کی شرارت وکمینگی کے نتیجہ میں بہتے ہوئے انسانی خون کے سمندر سے گذرنے کے بعد بھی حضرت حسینؓ نے اللہ جانے کن وجوہات کی بنیاد پر انہیں شرپسندوں کا آلہ کار بننا پسند کر لیا۔ حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اس تحریک کے ابتدائی کارکنوں کے ہاتھوں آپ کے حقیقی بہنوئی، حدل مجسم سیدنا فاروقؓ بحالت صلاۃ محراب نبوی میں شہید ہوئے۔ انہیں کے ظالمانہ وسفاکانہ جارحیت کے نتیجہ میں آپ کے خالو سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کئی دن کے بھوکے پیاسے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ذبح کر دیے گئے۔ انہیں کی انتقامی کارروائی سے آپ کے والد، حضرت علیؓ جامعہ مسجد کوفہ کے دروازے پر نماز کو آتے

ہوئے نشانہ ظلم بنائے گئے۔ اور انہیں کی نامبارک و نامسعود دامن جمل، صفین اور نہروان وغیرہ خانہ جنگیوں میں قتل کیے جانے والے ایک لاکھ انسانوں کی لاشوں سے بھرے ہوئے ہیں ؎

ٹپک پڑے نہ کہیں آج ان کے ہی آنسو
جھجک رہا ہوں غم دل کا تذکرہ کرتے

ان کے حالات میں اسلامی ریاست کو بے چرواہے ریوڑ کی مانند چھوڑ دینا، اور امن و عافیت سے رہتے ہوئے مسلمانوں کے مستقبل کو دشمنوں کے ہاتھ میں کھیلنے والے طالع آزماؤں کے رحم وکرم کے حوالے کر دینا۔ ایک سیاسی وفکری خطا ہی نہیں، بلکہ وہ ناقابل تلافی جرم بھی ہوتا جس کے سامنے ''عہد مرتضوی'' کی ہلاکت خیزی و تباہ کاری دھول ہو کر رہ جاتی ہے اور جس کے نتیجہ میں ہونے والے نقصان کی تلافی قیامت تک ناممکن ہو کر رہ جاتی۔ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ اور آپ کے فرض شناس اور بیدار مغز عمال کا ملت اسلامیہ پر عظیم ترین احسان ہے کہ انہوں نے خاندانی رسالت کے آڑ میں جنگ لیتے ہوئے اس عجمی فتنے کو شروع ہی میں بھانپ کر بروقت مناسب و معقول انتظام کر دیا ورنہ مسلمانوں کو اس فتنے سے دوچار ہونے کی صورت میں اپنا ''اجتماعی وجود'' برقرار رکھنا دشوار ہو جاتا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی تحریک:

گذشتہ صفحات میں نقل کردہ مؤرخین کی عبارات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اگرچہ سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر حضرت حسنؓ کی بیعت کر لینے کے فوراً بعد ہی کوفہ کی سبائی پارٹی نے حضرات حسنینؓ کو برا بھلا کہہ سن کر اہل شام کے مقابل محاذ

آرائی اور حسب سابق خانہ جنگی پر آمادہ کرنے کی بڑی کوششیں کیں۔ لیکن پیکر امن واتحاد سیدنا حسنؓ نے اپنے والد کی منہ چڑھائی اس مفسد پارٹی اور چھوٹے بھائی حسینؓ کے ساتھ سختی سے پیش آکر بات آگے نہ بڑھنے دی۔ حضرت حسنؓ کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے سرگرمیاں تیز کر دیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب حضرت حسینؓ اپنے عجمی دوستوں کے تحریراً تقریراً تلقین کیا کرتے تھے کہ:

''حضرت معاویہؓ کی زندگی تک تم سب چپ چاپ رہو۔ ان کی وفات کے بعد سوچ سمجھ کر پروگرام مرتب کیا جائے گا''۔

اس وقت حضرت حسینؓ مدینہ میں مقیم تھے اور وہیں ان کے پاس ترغیب وترہیب اور پروگرام کی تنظیم وتشکیل کے لیے آنے والے عراقی لوگوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ گورنر مدینہ سیدنا مروانؓ بن الحکیمؒ نے ان تمام حالات اور ممکنہ فتنہ وفساد کی حضرت معاویہؓ کو اطلاع دی۔ لیکن انہوں نے اپنے فطری وجبلّی حلم وکرم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ خود نوٹس نہ لیا، بلکہ گورنر مدینہ کو بھی لکھا کہ ان لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ البتہ آپ نے حضرت حسینؓ کو مشفقانہ خط لکھ کر سمجھایا کہ خدارا وہ ان کوفیوں، عراقیوں کے چکر میں آکر کوئی اقدام ایسا نہ کر بیٹھیں، جس سے انہیں بلکہ اہل اسلام کی اجتماعیت کو نقصان پہنچ جائے۔ عراق کے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے والد کو پھانس کر مسلمانوں میں ساڑے چار برس تک خانہ جنگی وبرادرکشی کی فضا قائم رکھی، جس میں ایک لاکھ کے قریب وہ بہادر مجاہدین گاجر مولی کی طرح کٹ گئے جو ماضی میں اسلامی فتوحات کا ذریعہ اور آئندہ مسلمانوں کے درخشندہ وروشن مستقبل کی علامت تھے۔ یہی کوفی اوباش وبدقماش ہیں جنہوں نے تمہارے بھائی حسنؓ کے ساتھ بدسلوکی وبدتمیزی کا رکارڈ توڑ دیا۔ انہیں دھکے دے کر پیروں

تلے سے مصلیٰ اور کاندھے سے چادر کھینچ لی اور پھر زہر آلود خنجر سے انہیں شدید مجروح کیا۔ کیا یہ بدفطرت عناصر اس لائق ہیں کہ انہیں ایک منٹ کے لیے بھی منہ لگایا جائے۔ ان کی تحریص وانگیخت اور اعتماد پر کسی تخریب پرور اور افتراق انگیز سرگرمی میں حصہ لینا بالآخر اسی مایوسی، بددلی اور خودفریبی کا موجب ہوگا جس ہاتھوں ملول ومجبور ہوکر حضرت علیؓ اپنے لیے موت کی تمنائیں کیا کرتے تھے۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی زندگی کے احوال دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس نازک موقع پر اس حلیمانہ وحکیمانہ اصول کو اپنائے رکھا، جسے آپ کی انفرادی واجتماعی اور نجی وسیاسی زندگی میں بڑی ہی اہمیت حاصل ہے۔ یعنی لوگوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو اس وقت تک نظرانداز کیے رکھنا، جب تک وہ کھلی جارحیت پر آمادہ نہ ہوجائیں۔ البتہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ کے گرد عراقی مفسدوں کا گھیرا دیکھ کر نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ ملت کا ہر سچا ہمدرد اور بہی خواہ، علوی دور کی سی ہولناکیوں کے اعادہ کا تصور کر کے بے چین وبے قرار تھا۔ اسی دوران کوفہ گورنر، اسلام کے عظیم مدبّر، کبیر السن صحابی سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے دمشق تشریف لاکر امیرلمؤمنین سیدنا معاویہؓ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ اپنی زندگی ہی میں کسی شخص کو ولی عہد وجانشین مقرر فرمادیں، تاکہ آپ کے بعد ''مسلم اجتماعیت'' کے لیے ایک مضبوط سہارا موجود رہے، اس طرح حصول اقتدار کی خاطر ممکنہ رسہ کشی کا سد باب بھی ہوسکے گا اور انتشار پسند عجمی عناصر کو کسی گمراہ کن عنوان سے غوغہ آرائی وشرانگیزی کا موقعہ بھی نہ مل سکے گا۔ جس کے لیے وہ شب وروز پر تول رہے ہیں اور جس میں برانگیختگی کا حسین رنگ بھرنے کے لیے انہوں نے نواسۂ رسول، حضرت حسینؓ کو منتخب کیا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ نے ابتدائً یہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ سیدنا عمر فاروقؓ کی طرح چھ افراد پر مشتمل ''انتخابی پینل'' مقرر کردیں، تاکہ آپ کی وفات کے بعد انہیں نامزد اشخاص میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیا جائے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام بتلائے ہیں۔

۱۔ سیدنا سعد بن العاصؓ ۲۔ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ

۳۔ سیدنا حسن بن علیؓ ۴۔ سیدنا مروان بن الحکمؓ

۵۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ٦۔ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۸۵)

لیکن سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے ولی عہدی کے لیے سیدنا معاویہؓ کے لائق فرزند سیدنا یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ حضرت معاویہؓ کو سیدنا مغیرہؓ کی نیک نیتی اور تقویٰ ہی نہیں، ان کے فہم و فراست اور حسن تدبّر و اصابت رائے پر مکمل اعتماد تھا۔ تاہم وہ کوئی ایسا اقدام کرنے پر تیار نہ تھے جس کے متعلق ارباب حل وعقد، اصحاب وشوریٰ اور رائے عامہ کا واضح اور دوٹوک فیصلہ ان کے سامنے نہ ہو۔ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرات خلفائے راشدین، ابوبکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ کی خلافت راشدہ اور اس کے اچھے اثرات وثمرات ان کی ہردل عزیزی اور ان پر قوم کے بھرپور اعتماد کا نتیجہ تھے۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت علیؓ کو اپنے عبوری وآزمائشی عہد میں جن مشکلات وشدائد اور ناکامیوں کا سابقہ رہا وہ آپ کے معاملات حکومت پر مسلمانوں کی بے اعتمادی و بے اطمینانی ہی کا ردعمل تھا۔ نیز آپ اس سے بھی باخبر تھے کہ حضرت علیؓ کے ساڑھے چار سالہ انتشاری دور کے بعد، رشد وہدایت اور امن وعافیت سے فراز آپ کی خلافت میں کامیابی وکامرانی کا راز

ہی یہ ہے کہ اسے اصحابہ شوریٰ اور رائے عامہ کی مکمل تائید وحمایت حاصل رہی ؎

فرد قائم ربط سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

بنا برایں۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ لسان نبوی سے ''ہادی ومہدی'' کا خطاب پانے والے، صاحب فہم وبصیرت، سیدنا معاویہؓ ۔**وامرھم شوریٰ بینھم** کے قرآنی حکم کا تقاضا پورا کیے۔ اور رائے عامہ کا احترام کیے بغیر کوئی ایسا فیصلہ کرلیں جس کے نتائج ماضی میں کیے گئے تجربات سے زیادہ تباہ کن اور خطرناک ثابت ہوں۔ چنانچہ آپ نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ اتنا اہم کام اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک تمام صوبوں کے نمائندے اور اصحاب شوریٰ مل جل کر کوئی متفقہ فیصلہ نہ کریں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ طویل عرصے سے کوفہ جیسے سبائی مرکز کے گورنر چلے آرہے تھے۔ اس لیے انہیں وہاں رہ کر اہل کوفہ کی نفسیاتی کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا۔جس کے نتیجہ میں کوفیوں کی خطرناک سازش اور مدینہ آجا کر حضرت حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر اپنے جال میں پھانس کر ان کے ذریعہ خانہ جنگی برپا کرنے کے پروگرام پر بھی آپ کو ذاتی طور پر آگاہی حاصل تھی۔ اس لیے پیرانہ سالی کے اس مقام پر پہنچنے کے باوجود، جہاں عموماً راحت وآرام طلبی کا جذبہ غالب رہتا ہے۔آپ نے ولی عہدی کی تجویز پیش ہی نہ کی، بلکہ نومولود عجمی فتنے کے مقابلے میں ہر ممکن نبرد آزمائی کا عرض کر کے آپ زندگی کے آخری لمحات اسلام اور مسلمانوں کی بقا اور سالمیت کے لیے کوشاں رہتے ہوئے اسی طرح گذار دینا چاہتے تھے جس طرح اب سے پہلے عمر عزیز کا بیشتر حصہ اور اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا قیمتی

سرمایہ اللہ کے دین اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے نذر کر چکے تھے، رضی اللہ عنہ دارضاہ۔ اسی لیے آپ نے چاہا کہ ولی عہدی کے مسائل کو روبعمل لاکر، جس قدر جلد ممکن ہو سکے، فتنہ وفساد کے دروازے کو شروع ہی رائے فوری طور پر قبول نہ کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ کی رائے میں ولی عہدی کا یہ معاملہ ساٹھ لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ پر پھیلی ہوئی اسلامی ریاست اور اس میں بسنے والے لاکھوں کروڑوں انسانوں سے متعلق تھا۔ کسی ایک صوبہ یا کسی ایک علاقہ کا نہیں۔ اس لیے آپ چاہتے تھے کہ اس میں عجلت وجلد بازی سے کام لے کر کوئی ایسا فیصلہ ہرگز نہ کرنا چاہیے جس کی پشت پر جمہور امت کی تائید نہ ہو۔ کیونکہ سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد اس طرح کی عجلت میں کیے گئے فیصلے کو رائے عامہ پر زبردستی مسلط کرنے کا تجربہ اور اس کے ہولناک نتائج مسلمان قوم ایک بار بھگت چکی تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ ماضی کا بھیانک تجربہ مسلمانوں پر آئندہ مسلط نہ ہونا چاہیے۔ پچھلی خانہ جنگیوں کے نتیجہ میں پہنچنے والے ناقابل تلافی نقصان کے بعد اب یہ قوم کسی آزمائش کی متحمل نہیں۔ جہانگیر وجہانبانی اور انسانی خدمات کے لیے ابھی اسے بہت کچھ کرنا ہے۔ اس طرح کے جھمیلوں میں پڑ کر اس کی جادہ پیمائی قطعاً متاثر نہ ہونی چاہیے۔ یہ تھے وہ نیک اور مشفقانہ جذبات جن کے پیش نظر سیدنا معاویہؓ نے عاجلانہ فیصلہ کر کے مسلمانوں کو کسی نئی آزمائش میں مبتلاء کرنے کے بجائے ولی عہدی کے معاملہ کو استصواب رائے پر موقوف رکھا۔

نمائندہ اجلاس:

سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت سن ۳۵ھ سے وفات سیدنا علیؓ

سن ۴۰ھ تک، ہونے والے مسلم کش فسادات کے بعد، سیدنا معاویہؓ کے ذریعہ قائم ہونے والی اجماعی خلافت میں امن وسکون، سلامتی وعافیت اور بھائی چارگی ومواخات سے مستفیض مسلمانوں کو عجمی مفسدین کو شر انگیزی کی اطلاع کے ساتھ ہی جب یہ معلوم ہوا کہ گورنر کوفہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے ممکنہ فتنہ وفساد اور قائم شدہ امن وعافیت کے تحفظ کی خاطر سیدنا یزیدؒ کے حق میں ولی عہدی کی تجویز پیش کی، جسے حضرت معاویہؓ نے تمام صوبوں کی نمائندہ اجلاس پر موقوف رکھا ہے۔تو ہر صوبے کے لوگوں نے اپنے نمائندے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ اسی سال دمشق میں اجلاس ہوا، جس میں اسلامی مملکت کے تمام صوبوں اور علاقوں کے معزز، اصحاب الرائے نمائندوں نے بڑی بڑی تعداد میں شرکت کی دوسرے مؤرخین کے علاوہ، مسعودی جیسے متعصب شیعہ مؤرخ نے بھی اس اجلاس میں نمائندہ وفود کی شرکت کا ان لفظوں میں اعتراف کیا ہے:

"وفد علی معاویة وفد من الا مصار من العراق وغیرها فکان ممن وفد من اهل العراق الاخنف بن قیس فی اٰخرین من وجوه الناس"

(مروج الذہب ج/۳ ص/۳۶، ۳۷)

''سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں عراق وغیرہ تمام شہروں سے وفد آئے، اور عراق سے آنے والے وفد میں دوسرے بڑے لوگوں کے علاوہ اخنف بن قیس بھی تھے''۔

اجلاس میں اسلامی ریاست کے مستقبل اور سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی پر غور ہوا۔شرکاء نے اجلاس کی کارروائی میں بھرپور حصہ لیا۔موفقت ومخالفت کے ہر دو

موقف پر تائیدی وتردیدی دلائل پیش ہوئے۔ بالآخر عراق وفد کی طرف سے پیش کردہ تحریک پر سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کو اکثریت کی حمایت حاصل رہی۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے کان میں آواز پڑی کہ مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ امیر یزیدؒ کی ولی عہدی سے خوش نہیں، اس لیے اس فیصلہ کن اجتماع میں بھاری اکثریت کی حمایت کے باوجود آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ منورہ کے باشندے بھی متفق نہ ہوں، میں ولی عہدی کے لیے یزیدؒ کے نام کا اعلان نہیں کرسکتا۔ چنانچہ خضری وغیرہ مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ نے گورنر مدینہ، سیدنا مروانؓ بن الحکم کو لکھا کہ:

''اب ضعیفی وناتوانی نے مجھے آلیا ہے۔معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا جاؤں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد امت ایک بار پھر فتنہ وفساد کا شکار نہ ہوجائے، لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں ارباب حل وعقد سے مشورہ کر کے کسی کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کر جاؤں۔ اس سلسلہ میں آپ کا مشورہ ضروری ہے۔اس بات کو اس بات کو مدینہ منورہ کے معزز افراد کے سامنے پیش کرو، باہمی اتفاق سے جو رائے دیں وہ مجھے لکھیں''۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج رص ر ۱۱۷)

سیدنا مروانؓ نے اکابر مدینہ کو جمع فرما کر حالات سے آگاہ کیا، اور موجودہ پر پیچ حالات میں امیرلمؤمنین معاویہؓ کے ارادے کا تذکرہ کرتے ہوئے، سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کے بارے میں گفتگو کی:

"فخطب فجعل یذکر یزید بن معاویة لکی یبایع له بعد ابیه۔ فقال له عبدالرحمن بن ابی بکر شیأً قال خذوه فدخل بیت عائشة فلم یقدروا فقال مروان ان هذا الذی انزل الله فیه "والذی قال لوالدیه اف لکما اتعداننی" فقالت عائشة من وراء الحجاب ما انزل الله فینا شیأً من القرآن الاّ ان الله انزل عذری"

(صحیح بخاری ج/۲ ص/۷۱۵)

''سیدنا مروانؓ نے تقریر کرتے ہوئے امیر یزید بن معاویہؒ کا ذکر کیا، کہ ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے۔ اس پر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے کچھ کہا۔ تو حضرت مروانؓ نے کہا کہ ذرا انہیں پکڑ لو۔ وہ سیدہ عائشہ کے حجرے میں چلے گئے، اس لیے لوگ انہیں پکڑ نہ سکے حضرت مروان نے کہا کہ انہیں جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ نے یہ آیت اتاری والذی قال الخ۔ یعنی وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا کہ افسوس ہے تم پر، تم مجھے دھمکی دیتے ہو۔ سیدہ عائشہ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق (خصوصیت سے) قرآن مجید میں میری پاکدامنی کی آیات ہی نازل فرمائیں۔''

مندرجہ بالا مستند روایت سے معلوم ہوا کہ امیرالمؤمنین معاویہؓ کی

ہدایت کے مطابق گورنر مدینہ حضرت مروان ؓ نے جس عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کا تذکرہ کیا تھا۔ اس میں مدینہ منورہ کے اکابر صحابہ ؓ وتابعینؒ نے ہی شرکت نہ کی بلکہ روایت میں بیان کردہ سیدہ عائشہ ؓ کی پردہ کے پیچھے موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس اہم قومی معاملہ میں مشاورت کے لیے امہات المؤمنین ؓ بھی تشریف فرما تھیں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اکابر مدینہ پر مشتمل اس نمائندہ اجلاس میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ کے علاوہ کسی بھی قابل ذکر شخص نے نہ ولی عہدی کے مسئلہ سے اختلاف کیا، اور نہ کسی نے سیدنا یزیدؒ کی اہلیت و نامزدگی پر اختلافی رائے اور ناپسندیدگی ظاہر کی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ، سیدنا سعید بن زید ؓ، سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ، سیدنا عبدعباس ؓ وغیرہ جلیل القدر صحابہ ؓ اور اکابر مدینہ کی موجودگی میں، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ کا اختلاف کوئی وزن نہیں رکھتا، اس لیے ولی عہدی یا سیدنا یزیدؒ کی نامزدگی میں اگر کوئی شرعی قباحت ہوتی تو پھر حضرت عبدالرحمن ؓ نہیں بلکہ تمام حضرات صحابہ ؓ اور حاضرین اجلاس اس کی پرزور تردید کرتے، اس طرح خاموش رہ کر اپنے اجماع کا عملی اعلان نہ فرماتے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب بڑوں کی موجودگی اور ان کے خاموش رہتے ہوئے ان پر غصہ کا اظہار کیا، تو امّ المؤمنین سیدہ عائشہ نے پردہ کے پیچھے سے بآواز بلند اس بات کی وضاحت تو فرمائی کہ یہ آیت کریمہ ان کے بھائی عبدالرحمن کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، لیکن سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی سے متعلق آپ نے کوئی اختلاف نہیں فرمایا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حامل علوم نبوت سیدہ نساء العالمین، صدیقۂ کائنات، ام لمؤمنین حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا کے نزدیک ایک خلیفہ کی موجودگی میں اس کے جانشین کی

تقرری ، باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی اور ولی عہدی کے لیے امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کی نامزدگی کسی بھی حیثیت سے قابل اعتراض یا قرآن وسنت سے متضادم نہ تھی، ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ معمولی معمولی قابل اصلاح باتوں پر برملا ٹوکنے والی ''امال'' ملّت اسلامیہ کے مستقبل جیسے اہم اور نازک مرحلہ میں اپنی روحانی اولاد کو غلط اقدام کرتے ہوئے دیکھ کر برداشت کرلیتیں۔۔۔؟

مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منعقدہ اس اہم اجلاس سے ایک شخص کا اختلاف کر کے چلے جانا، جلسہ میں موجود اکابر صحابہ وتابعین کے اجماعی عمل کے مقابلے میں اگرچہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ازراہِ احتیاط اس ایک اختلافی آزواز کو بھی محسوس فرمایا۔ آپ ماضی کے تجربات کی روشنی میں خوب سمجھتے کہ اس طرح کی اکائیاں ازخود احساس کمتری کا شکار ہوکر یا سازشی عناصر کے قریب میں مبتلاء ہوکر اس قدر خطرناک اقدام کا سبب ہوجاتی ہیں کہ پھر ان کی تلافی ،سنگین صورت حال کا مقابلہ کیے بغیر نہیں ہوسکتی۔ بنابرایں۔ آپ نے حجاز مقدس کا سفر اختیار فرمایا تاکہ مناسک حج کی ادائے گی کے ساتھ ہی مکہ ومدینہ کے اصحاب الرائے سے درپیش معاملہ میں بالمشافہ گفتگو بھی ہوسکے گی۔

چنانچہ آپ کے مدینہ منورہ پہنچنے پر ایک بار پھر اجتماع ہوا جس میں امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے قومی وملکی معاملات اور موجودہ، بدلتے ہوحالات میں اسلامی خلافت اور مسلم اجتماعیت کے مستقبل سے متعلق تفصیل کیا، اور بالآخر باہمی گفت وشنید کے بعد بغیر کسی اختلاف سیدنا یزیدؒ بن معاویہؓ کی ولی عہدی کے لیے منظوری دے دی۔

شیخ الصحابہ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اسی اجلاس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

"دخلت علی حفصة ونوساتها تنطف قلت قد کان من امر الناس ما ترین فلم یجعل لی من الامر شیٔ فقالت :الحق فانهم ینتظرونك، واخشی ان یکون فی احتباسك عنهم فرقة، فلم تدعه حتیٰ ذهب ۔ فلما تفرق الناس خطب معاویة قال من کان یزید ان یتکلم فی هذا الامر فلیطلع قرنه فلنحن احق به ومن ابیه ۔ قال حبیب بن مسلمة فهلاّ اجبته قال عبد الله فحللت حبوتی وهممت ان اقول احق بهذا الامر منك من قاتلك واباك علی الاسلام فخشیت ان اقول کلمة تفرق بین الجمع وتفسك الدم ویحمل عنی غیر ذٰلك فذکرت ما اعدّ الله لی فی الجنان قال حبیب حفظت وعصمت"

(صحیح بخاری جلد دوم ص ر ۵۸۹)

''سیدّہ حفصہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت ان کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ آپ لوگوں کا حال دیکھ رہی ہیں کہ اس معاملہ میں میری کوئی حیثیت نہیں رکھی گئی، حضرت حفصہ ؓ نے فرمایا کہ جاؤ، لوگ تمہارے انتظار میں ہیں، مجھے ڈر ہے کہ تمہارے رکے رہنے سے اختلاف نہ پیدا ہو جائے ۔ حضرت حفصہ ؓ نے اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑا جب تک چلے نہ گئے ۔

جب (جلسہ میں شریک عام) لوگ متفرق ہوگئے تو سیدنا معاویہؓ نے دوران خطاب فرمایا کہ اب بھی کوئی شخص اس معاملہ میں کچھ بولنا چاہتا ہے تو وہ سر اونچا کرے، ہم اس سے اور اس کے والد سے اس امر (خلافت) کے زیادہ حقدار ہیں۔

حضرت حبیب ابن مسلمہؓ دریافت کیا کہ پھر آپ نے کوئی جواب دیا؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی نشست چھوڑ کر کہنا چاہا کہ آپ سے زیادہ حق اس کا ہے جس نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام کے لیے جنگ کی تھی۔ لیکن مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اختلاف وفساد کا موجب ہو اور میری بات کو غلط رنگ نہ دے لیا جائے۔ اس لیے میں اللہ کی خوشنودی وانعام کے خیال سے چپ رہا۔ سیدنا حبیب بن مسلمہؓ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ کو غلط بات کہنے سے محفوظ رکھا اور نامناسب اقدام سے بچالیا''۔

صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابتدائً میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے متعلق کچھ خیال ہوا تھا، لیکن جب انہوں نے اپنی بہن ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ کے پاس جا کر مشورہ لیا تو آپ نے انہیں ملّت کے اجماعی معاملات میں اختلاف وانتشار سے منع کیا اور آپ نے بار بار سختی کے ساتھ کہہ سن کر حضرت عبداللہؓ کو اجلاس کی شرکت پر مجبور کر دیا۔

ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ سلام اللہ علیہا کا یہ فرمان کہ'' جاؤ لوگ تمہارے

انتظار میں ہیں‘‘ اس بات کا ثبوت ہے کہ اجلاس میں مدینہ منوّرہ کے تمام صحابہؓ اور دیگر اصحاب الرائے کو دعوت دی گئی تھی اور وہ سب ہی وہاں تشریف فرماں تھے۔ حضرت عبداللہؓ کا انتظار ہو رہا تھا، ان کے پہنچنے پر جلسہ کی کاروائی ہوئی، اجلاس کے تمام شرکاء نے حالات حاضرہ اور ملی مصالح کے پیش نظر امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی پیش کردہ تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے، ولی عہدی کا لیے سیدنا یزید کی نامزگی کو منظور کرلیا، اس طرح مسلمانوں کے مستقبل کو انتشار و افتراق سے بچانے کی خاطر مدبّر اسلام سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی تحریک اور دمشق میں ہونے والے نمائندہ اجلاس میں کثرت رائے سے منظور کردہ قرارداد کی مدینہ مَنّورہ کے اس اہم اور مقدس اجلاس میں بلا اختلاف توثیق کی گئی۔

ولی عہدی کی بیعت مکمل ہونے پر جب جلسے کی کاروائی ختم ہوئی اور عموماً شرکائے اجلاس جا چکے، تاہم ابھی چند خاص حضرات موجود تھے، جن سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ نے ایک جملہ کہا، جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے متعلق تعریض سمجھ کر اس کا جواب دینا چاہا، لیکن قائم شدہ اجماع و اتفاق میں رخنہ وفساد پڑ جانے کے خوف سے آپ چپ رہے۔ اس واقعے کے خاصے عرصے بعد سیدنا حضرت حبیب بن مسیلمہؓ کو اس اجلاس کی تفصیلات سناتے ہوئے ان کے معلوم کرنے پر حضرت عبداللہؓ نے اپنے اس جواب کا تذکرہ فرمایا جو آپ اس موقع پر دینا چاہتے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت معاویہؓ کے اس جملہ اور حضرت عبداللہؓ کے مجوزہ جواب کے بارے میں بھی کچھ عرض کرتے چلیں، تا کہ روایت کے ان الفاظ پر غور کرتے ہوئے ذہن کسی تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔

اجلاس کی رسمی کاروائی کی تکمیل واختتام کے بعد، باقی رہے ہوئے چند

خاص حضرات سے بات چیت کرتے ہوئے، امیر المؤمنین معاویہؓ کی زبان سے یہ جملہ نکلا:

''اب بھی کوئی شخص اس معاملہ میں کچھ بولنا چاہے تو وہ سر اونچا کرے، ہم اس سے اور اس کے والد سے اس امر (خلافت) کے زیادہ حقدار ہیں''۔

گزرے ہوئے واقعات کا تسلسل اور اہل کوفہ کے مرتب کردہ سازشی پروگرام کے پس منظر کو ذہن میں رکھ کر حضرت معاویہؓ کے ارشاد پر غور کیا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اس جملہ میں حضرت معاویہؓ کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ یا ان کے والد ماجد سیدنا عمر فاروق اعظمؓ پر کسی قسم کی تعریض وطنز ہرگز نہیں ہوا۔ اجلاس سے ذرا قبل کچھ خیال پیدا ہوتا تھا۔ جسے امّ المؤمنین سیدہ حفصہؓ بنت عمر فاروق اعظمؓ کی مشفقانہ نصیحت اور مصلحانہ توبیخ نے ذہن سے نکال دیا۔ رہے سیدنا حضرت عمرؓ تو وہ نہ صرف سیدنا معاویہؓ کے مربیّ ومحسن تھے۔ بلکہ آپ ہی نے انہیں شام کی گورنری پر فائض فرما کر، انہیں اپنی خداداد صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے مواقع پر عطا فرمائے تھے۔ سیدنا عمرؓ کے ساتھ آپ کو پوری زندگی جس درجہ عقیدت ومحبت رہی وہ تاریخ کا صحیح علم رکھنے والے کسی بھی شخص سے پوشیدہ نہیں۔ نیز سیدنا عمرؓ کو حضرت معاویہؓ کے ساتھ کس قدر پرخلوص اور قریبی لگاؤ تھا، وہ اس اعتماد سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سن ۱۸ ہجری میں انہیں شام جیسے سرحدی علاقہ پر گورنر بنانے سے لے کر اپنی وفات تک اس اہم اور نازک عہدے سے کبھی سبکدوش نہیں کیا، بلکہ آئے دن ان کے مناصب میں اضافے فرما کر ان پر اپنے بھرپور اطمینان و اعتماد کا اظہار فرماتے رہے۔ ان کی شان میں شکایتی الفاظ سن کر آپ کو بے حد قلق

ہوتا اور شکایت کرنے والے کو اس شدت سے ڈانٹتے کہ پھر اسے ایسی جرأت نہ ہوتی ،غرض یہ کہنا قطعاً بجا ہے کہ سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کی نگاہ میں سیدنا معاویہؓ معتمد ترین شخص تھے۔ ان حالات میں یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے سیدنا عمرؓ پر طنز کیا ہو۔؟

بات اصل میں یہ ہے کہ، عدل مجسم سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت خلیفہ برحق سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی جوارِ رسول میں ان کی درد ناک شہادت بزور طاقت سیدنا علیؓ کی خلافت کا قیام عہد علوی میں مسلم کش خانہ جنگیاں اور پھر مسجد کے دروازے کے پاس حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ، وغیرہ وہ واقعات تھے جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو شدید ترین دھچکا پہنچایا۔ سنہ ۲۴ ہجری تک کا وہ زمانہ جس میں مسلم قوم ان افسوس ناک وکربناک حادثات سے دوچار رہی ، سیدنا معاویہؓ صوبہ شام کے گورنر تھے اور متعلقہ فرائض کی ادائے گی کے سلسلہ میں عموماً آپ وہیں رہے۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ جیسا صاحب فہم وفراست مدبرّ اور اسلام کا سچا سپاہی ، مدینہ وعراق میں ہونے والے افسوس ناک حالات سے المناک نہ ہو اور پھر ان کے اسباب وعوامل کا کھوج لگا کر ان کے تدارک ودفیہ کی کوشش نہ کرے۔ چنانچہ آپ مومنانہ بصیرت وفراست اور مدبرانہ صلاحیت ومہارت سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب کچھ ان عجمی عناصر کا کیا دھرا ہے، انھی نے اپنے انتقامی پروگرام پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمرؓ جیسے عادل خلیفہ کو راہ سے ہٹایا۔ سیدنا عثمان غنیؓ کو بے دردی سے شہید کیا، اور سیدنا علیؓ کو آڑ بنا کر مسلمانوں میں تلوار چلائی۔ وہی مفسد ٹولی حضرت حسینؓ کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بار پھر مسلمانوں کے اجتماع اور امن وعافیت کو غارت کرنے پر آمادہ ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کو بخوبی معلوم تھا کہ ان مفسدین ومنافقین نے حضرت حسینؓ کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اسی طرح تیار کرلیا ہے جس طرح انہوں نے ان کے والد محترم حضرت علیؓ پر تسلط حاصل کرلیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت حسینؓ کو خط وخطابت کے ذریعہ بہت کچھ سمجھایا بھی تھا، جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔ لیکن ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بنابریں اب جب کہ حضرت حسینؓ بھی اختتام جلسہ پر یہاں موجود تھے، جو عمر میں ان سے بہت چھوٹے اور رشتہ میں ان کے نواسے ہوتے ہیں۔ تو آپ نے مناسب سمجھا کہ ان کو کوفیوں کے بھروسے پر انتشار انگیز اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کو باز رکھا تھا۔

تاگویا اس ذیل میں آپ نے یہ جملہ فرما کو حضرت حسینؓ کے ذہن سے یہ بات نکالنا چاہی کہ خلافت جیسی اہم انتظامی زمہ داری۔ ذاتی خصائص اور انفرادی استحقاق کا نتیجہ نہیں ہوا کرتی، اس کے لیے کوفی مکاروں کی خفیہ سازشوں کی نہیں، بلکہ سیاسی بصیرت ومہارت اور انتظامی صلاحیت اور تجربے کی ضرورت ہے، جسے اسلامی ریاست کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک قبول عام حاصل ہو۔ اور جس کی پشت پر نہ صرف اصحابہ الرائے بلکہ رائے عامہ کی ایسی تائید وحمایت موجود ہو جس کا کسی بھی صورت میں استخفاف نہ ہوسکے۔ اور چونکہ یہ اجماعی تائید ''عام الجماعت'' کے بعد ہمیں اب پھر حاصل ہے۔ دمشق اور مدینہ منورہ کے ان اجلاس کے متفقہ فیصلے اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں، اس لیے اس اجماع واتفاق کے بعد بھی اگر

کسی شخص کے دل میں کوئی تسلی طلب بات ہوتو وہ سامنے آ کر بولے ہم اس ''اجماعی استحقاق'' کے سلسلہ میں مزید اطمینان پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔

یہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے فرمان کی حقیقت، جسے واقعات وحالات کے تسلسل میں رکھ کر دیکھنے کے بعد کسی قسم کی تشویش وتعویق کا امکان نہیں۔اب اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ عجمی فتنہ انگیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سیدنا عبداللہؓ نے اسے اپنے متعلق تعریض کیوں گمان فرمالیا: ''رضی اللہ عنہ وعفا عنہ''

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز وہ جواب ہے جو آپ نے سوچا تھا۔یعنی، ''آپ سے زیادہ حق اس کا ہے، جس نے آپ سے اور آپ کے باپ سے اسلام کے لیے جنگ کی تھی''۔

جہاں تک حضرت معاویہؓ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، بلا شبہ وہ فتح مکہ سے کچھ پہلے تک، اسلام قبول کرنے سے قبل مخالف قوم کے سربراہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مقابل لڑنے کے لیے آئے، لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا معاویہؓ اسلام اور مسلمانوں سے لڑی جانے والی کسی بھی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، اس لیے بہت ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وفور جذبات میں جواب تیار کرتے وقت اس جانب غور نہ فرما سکے ہوں۔ یا پھر ہوسکتا ہے کہ بعد کے کسی راوی نے حضرت عبداللہؓ کے جوابی الفاظ بیان کرتے ہوئے سیدنا ابوسفیانؓ کے ساتھ ہی حضرت معاویہؓ کو بھی شامل کر دیا ہو، ورنہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جیسے متقی، پرہیز گار، شیخ الصحابہ کی زبان سے دیدہ ودانستہ ایسی خلافت واقعہ اور غلط بات نہیں نکل سکتی تھی۔ واقعات وروایات نقل کرنے میں راوی سے اس طرح کی بھول چوک اور غلطی کے امکان کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، بلکہ حدیث، تاریخ سے

بات کچھ کی کچھ ہو کر رہ گئی ؎

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

اجماعی بیعت:

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"فبایع له الناس فی سائر الاقالیم"

(البدایہ والنہایہ ص/۷۹ ج/۸)

''تمام علاقوں کے لوگوں نے ان کی (ولی عہدی کی) بیعت کی''۔

یہی علامہ ابن کثیرؒ مزید رقمطراز ہیں:

"فاتسقت البیعة لیزید فی سائر البلاد، ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید"

(البدایہ والنہایہ ص/۸۰ ج/۸)

''تمام شہروں میں سیدنا یزیدؒ کی بیعت بلا اختلاف کی گئی۔ نیز ملک کے کونے کونے سے سیدنا یزیدؒ کے پاس (بیعت کرنے کے لیے) وفود آئے''۔

اسلامی تاریخ میں سیدنا یزیدؒ بن معاویہؓ ہی وہ اکیلے شخص ہیں جن کے لیے اس قدر مکمل اور ہمہ گیر استصواب عمل میں آیا جو اس سے پہلے کبھی کسی کے لیے نہیں ہوا۔ لاکھوں میل میں پھیلی ہوئی اسلامی مملکت میں بسنے والے صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور دیگر تمام مسلمانوں نے، مدینہ منورہ کے اجتماع میں کیے گئے متفقہ فیصلے

کے بعد بلا پس وپیش ان کے لیے ولی عہدی کی بیعت کی۔

کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل پانچ حضرات نے سیدنا یزیدؒ کے لیے ولی عہدی کی بیعت کی تھی:

۱۔سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما۔

۲۔سیدنا عبداللہ بن عمرؓ عنہما۔

۳۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

۴۔سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔

۵۔سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما۔

لیکن ان حضرات کے عملی موقف کی روشنی میں دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ دیگر ہمعصر صحابہؓ وتابعینؒ کی طرح ان حضرات نے بھی ولی عہدی کی بیعت کی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے مشورہ دیتے ہوئے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کے دل میں اپنے متعلق کچھ استحقاقی خیالات بھی موجود رہے ہوں۔لیکن یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں ہونے والے اجلاس کے اجماعی فیصلے کے بعد ان میں سے کسی نے کسی قسم کا اختلاف کیا ہو۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے مدینہ منورہ میں ہونے والے پہلے مشاورتی اجلاس میں حضرت مروانؒ کے سامنے کوئی اعتراض کیا اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔لیکن اس کے بعد سیدنا معاویہؓ کی موجودگی میں ہونے والے اجتماع یا اس کے علاوہ کسی دوسرے موقعہ پر ان سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں جسے ان کی ناراضگی وانکار پر دلیل قرار دیا جا سکتا ہو، یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ ۵۰ ہجری

کے آخر میں ہونے والے اس اجتماعی فیصلے سے متفق تھے، یہاں تک کہ ۵۳ھ ہجری میں ان کی وفات ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں ابتداًاپنے متعلق کچھ خیال پیدا ہوا۔ لیکن ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ کے سمجھانے پر آپ نے عمر بھر کے لیے اسے ذہن سے نکال دیا۔صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی پر صرف راضی ہی نہ تھے بلکہ ان کے متعلق یہاں تک فرمایا کرتے تھے۔

"انا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله ورسوله۔۔۔الخ"

(بخاری جلد دوم ص/ ۱۰۵۳)

''ہم نے ان (یزیدؒ بن معاویہؓ) کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام بھی بیعت نہ کرنے والوں میں خواہ مخواہ لے لیا گیا ہے۔ ورنہ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ آپ کو سیدنا یزیدؒ سے نہ کبھی کد تھی اور نہ آپ سے بیعت ولی عہدی کے سلسلہ میں کسی ناراضگی و اختلاف کا صدور رہوا، آپ نہ صرف خود سیدنا یزیدؒ کی بیعت پر قائم رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر مظبوطی سے قائم رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شروع میں ولی عہدی سے متعلق اختلافی رائے رکھتے تھے، اور آپ نے اپنی اختلافی رائے کا برملا اظہار بھی کیا۔لیکن جب قومی مصالح اور مسلم اجتماعیت کو درپیش خطرات کو سامنے رکھ کر تمام اکابر امت نے ولی عہدی سے متفقہ فیصلہ کر لیا تو آپ

نے بھی اسے تسلیم کرلیا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کے متفقہ فیصلے سے لے کر حضرت معاویہؓ کے انتقال تک کسی مخالفانہ روش کا اظہار نہ فرمایا۔ البتہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب سیدنا یزیدؒ کی خلافت کے لیے تجدید بیعت ہونے لگی، تو اس وقت آپ نے بیعت نہ کی بایں ہمہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یزیدؒ کی وفات سے قبل آپ نے اپنے لیے کھل کر دعوت دی ہو یا اپنی خلافت کا اعلان کیا ہو۔

حضرت حسین بن علیؓ کو اگرچہ کوفی سبائیوں نے بہت کچھ نرم، گرم کر رکھا تھا، تاہم آپ نے بھی اس اجماعی فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے ''تایازاد بہنوئی اور پھوپھیرے سالے'' سیدنا یزیدؒ کے لیے ولی عہدی کی بیعت کی۔ جس کی ایک موقعہ پر سیدنا یزیدؒ نے آپ کو یاددہانی کرائی تھی۔ نیز تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک آپ ہر سال دمشق تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت بعد اللہ بن زبیرؓ کی طرح آپ نے بھی خلافت کے لیے تجدید بیعت نہ کی اور کوفیوں کے چکر میں آکر سبائی چھاؤنی ہوا تو "حتی اضع یدی فی یدہ" کہہ کر سیدنا یزیدؒ کی بیعت میں شمولیت کا اعلان ہی نہیں فرمایا بلکہ کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی جانب سفر شروع کر دیا تاکہ خلیفہ یزیدؒ کے پاس پہنچ کر عملاً تکمیل بیعت کرلیں۔ لیکن راستہ ہی میں کربلا کے مقام پر کوفی سازشیوں کے ہاتھوں آپ کی افسوس ناک شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔

غرض یہ کہ جن پانچ حضرات کے نام ولی عہدی کی بیعت نہ کرنے کے سلسلہ میں لیے جاتے ہیں۔ ان سب نے بھی سیدنا یزیدؒ کے لیے ولی عہدی کی بعیت کی تھی۔ یہ کہنا قطعاً غلط اور بے اساس ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی سیدنا یزیدؒ کی

ولی عہدی کے اجماعی فیصلے کو قبول نہیں کیا تھا۔ یا اس اتفاق کے بعد انہوں نے ولی عہدی کے زمانہ میں کسی قسم کی رخنہ اندازی وانتشار پسندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ البتہ سیدنا یزیدؒ کی ''دس سالہ ولی عہدی'' کے زمانہ کے بعد سیدنا معاویہؓ کی وفات پر جب ان کے لیے خلافت کی بیعت ہونے لگی تو حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے اس سے پہلوتہی اختیار کر لی تھی، لیکن اس بیعت کا تعلق ولی عہدی سے نہیں بلکہ خلافت سے ہے، جس پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی سے متعلق پوری اسلامی مملکت میں کوئی ایک قابل ذکر شخص بھی ایسا نہ تھا، جس نے ولی عہدی کی بیعت میں شمولیت نہ کی ہو۔

ولی عہدی کی بیعت مکمل ہونے پر امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ان الفاظ میں دعا مانگی:

"اللهم ان كنت عهدت ليزيد لما رأيت من فضله فبلغه ما املت واعنه وان كنت انما حملني حبّ الوالد لولده وانه ليس لما صنعت به اهلاً فاقبضه قبل ان يبلغ لذٰلك"

(تاریخ الاسلام، للذہبی ج ۲ ص ۲۶۷)

''اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کے فضل وکمال کی وجہ سے اپنا ولی عہد بنایا ہے، تو اسے اس بلند مقام تک پہنچا جس کی میں نے اس کے لیے امید کی ہے۔ اور اس کی اعانت وامداد فرما۔ اور اگر اس بات پر مجھے اس محبت ن آمادہ کیا ہے جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے اور درحقیقت یہ اس منصب کا اہل

نہیں، تو اس کے اس منصب تک پہنچنے سے پہلے موت دے دے''۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے سیدنا معاویہؓ کی دعا ان لفظوں میں نقل کی ہے:

"اللھم ان کنت انی ولیته لا نه فیما اراہ اھلٌ لذٰلك فاتمم له ماولیته وان کنت ولیته لانّی احبّه فلا تتمم له ماولیته"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۸۰)

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یزیدؒ کو اس کی اہلیت وقابلیت کی وجہ سے ولی عہدی بنایا ہے تو ولی عہدی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اور اگر صرف میں نے پدری محبت سے ایسا کیا ہے تو اسے پورا نہ ہونے دیجیو''۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی یہ دعا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ولایت عہدی کی تجویز وتحریک اور ولی عہدی کے لیے سیدنا یزیدؒ کی نامزدگی ذاتی اغراض ومفادات اور محض پدرانہ شفقت ومحبت کی بنیاد پر عمل میں نہیں آئی بلکہ سیدنا یزیدؒ کو اس اہم منصب کے لیے اہلیت وصلاحیت کا حامل جان کر کی گئی، تاکہ اسلامی خلافت اور مسلم شیرازہ بندی کو مستقبل میں درپیش ممکنہ خطرات وخدشات سے تحفظ حاصل ہو سکے۔ اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ نے جس قدر احتیاط سے کام لیا وہ بلاشبہ آپ ہی کا حصہ ہے، جس کی مثال نہ سابقین میں ملتی ہے۔ اور نہ ہی بعد والوں کی سیاسی وعملی زندگی میں اس کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔

سیکڑوں، ہزاروں صحابہؓ، اور لاکھوں، کروڑوں تابعین کے اس بے مثال

اجماعی فیصلے کے نتیجہ میں منعقد ہونے والی ولی عہدی کے باوجود اللہ رب العزت کے دربار میں دست بدعا ہو کر عرض کرنا کہ:

''یہ ولی عہدی اگر نیک نیتی سے کی گئی تو اسے کامیابی سے ہمکنار فرما، ورنہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی میرے بیٹے یزیدؒ کو موت دے دے''۔ صحابیٔ رسول، کاتب قرآن، خلیفۂ راشد، زبان نبوت سے ہادی ومہدی اور امین کا لقب پانے والے، امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ سلام اللہ علیہ کی اس پر خلوص دعا کے بعد بھی مسلمان کہلانے والے کسی شخص کو کیا یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ آپ کی نیک نیتی وخلوص کے خلاف زبان وقلم کی باگیں کھولے؟ اگر آپ کی نیت میں ذرا برابر بھی جھول ہوتا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جیسے مستجاب الدعوات صحابی رسولؐ کی آمین سے بے خوف ہو کر اپنے بیٹے یزیدؒ کے حق میں اس طرح دست بدعا ہوتے۔؟

عہد حاضر کے ایک سبائی ''لے نواز'' کا یہ کہنا قطعاً غلط اور مقامِ صحابیت سے ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ:

> ''یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی، بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔۔۔الخ''
>
> (خلافت وملوکیت ص/۱۵۰)

درحقیقت اس طرح کی تبرّائی باتیں، سبائی علمبرداروں کی اس بوکھلاہت کا کرشمہ ہیں جو سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہونے والے ناقابل انکار

اجتماعات میں کیڑے نکالنے غرض سے ایجاد کیے گئے ہیں۔ چنانچہ کبھی کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کے ذاتی مفادات سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا گیا۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ رشوتیں دے کر لوگوں کی رائے حاصل کی گئیں۔ کبھی کہا جاتا ہے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور سروں پر تلوار رکھ کر بیعت لی گئی وغیرہ وغیرہ۔

ذرا غور فرمائیں اگر مالی رشوتیں اور عہدوں میں ترقیاں دے دے کر رائے عامہ ہموار کی جاسکتی، یا طاقت اور دھونس کے ذریعہ لوگوں کو خوفزدہ کر کے بیعت پر آمادہ کیا جاسکتا تو اتنے بڑے بڑے اجتماعات کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر بات اتنی ہی تھی کہ کچھ لوگوں کو مال کی چمک دمک دکھا کر راضی کرلیا جائے اور کچھ کے سروں پر ننگی شمشیریں لٹکا کر کام نکال لیا جائے، یہ سب کچھ تو گھر بیٹھے کرایا جاسکتا تھا، اس کے لیے ایک ایک شخص کی رائے کے احترام میں اس احتیاط برتنے کی کیا ضرورت تھی، جس کی تفسیر گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے۔

بنابریں وہ تمام حکایات وروایات قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں جن کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ولی عہدی کے سلسلہ میں لوگوں نے خوش دلی سے آمدگی ظاہر نہ کی تھی، بلکہ خوف اور لالچ کی ہر ممکن جائز وناجائز۔ وسائل استعمال کر کے انہیں اپنے ایمان وضمیر اور مرضی کے خلاف بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ چنانچہ علامہ مسلم بن قتیبہ دینوریؒ کے نام کی آڑ لے کر تقیہ کی ناپاک چادر میں چھپے ہوئے سبائی مؤلف کی عبارت ملاحظہ ہو:

"القوم سکوت ولم یتکلموا شیئاً حذر القتل"

(الامامۃ وللسیاسۃ ج/۱ ص/۱۹۰)

’’ساری قوم چپ سادھے رہی۔ اور قتل کے ڈر سے کسی نے زبان تک نہ کھولی‘‘

یہ ہے بدنما اور مکروہ منظر کشی بدر و حنین کے مجاہدوں، احد و خندق کے شہسواروں، اور صلح حدیبیہ کے موقع پر ’’رضی اللہ عنہم‘‘ کے سند پانے والے ان خوش قسمت اور مقدس انسانوں کی جنہیں اسلام کی تاریخ میں صحابہ کرام کے محترم نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جن کے ایمان و یقین۔ تقویٰ طہارت اور رشد و صالحیت کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح دی ہے:

① وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

(سورہ انفال: ۷۴)

’’جن لوگوں نے ایمان قبول کیا، ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، نیز وجنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی۔ وہی سچے پکے مسلمان ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے‘‘۔

② لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَهُ جَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَأُوْلَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

(سورہ التوبہ: ۸۸)

’’لیکن رسول اور اس پر ایمان لانے والے (صحابہؓ) نے اپنے مال و جان سے جہاد کیا۔ انہیں کے لیے نیکیاں ہیں اور

وہی فلاح پانے والے ہیں‘‘۔

③ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ

(سورۃ الحجرات:۷)

’’لیکن اللہ نے تم میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اسے تمہارے دلوں میں رچا دیا۔ نیز کفر وفسق اور نافرمانی سے نفرت تم میں پیدا کر دی، یہی لوگ اللہ کے فضل وکرم سے نیک چلن ہیں۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے‘‘۔

اگر ولی عہدی کی اس تجویز کو ذاتی مفادات سے اپیلیں کر کے جنم دیا گیا ہوتا یا اس میں شرعی، اخلاقی اور قانونی کسی بھی قسم کی برائی ہوتی یا ولی عہدی کے لیے سیدنا یزیدؒ کی نامزدگی میں اللہ اور اس کے رسول برحق کے نافرمانی وہ بغاوت کا شائبہ بھی ہوتا، تو پھر اولٰئک ھم المفلحون حقاً اولٰئک ھم المفلحون اور اولٰئک ھم الراشدون جیسے، ربانی اعزازت پانے والے وصحابہ کرامؓ کسی حال میں اس پر آمادہ ورضامند نہ ہوتے، جنہیں اللہ نے اپنے دین اور اپنے نبی کی نبوت ورسالت پر گواہ قرار دیا ہے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ

(سورہ بقرۃ:۱۴۳)

’’اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی روش امت بنایا ہے تا کہ تم باقی

لوگوں پر گواہ رہو‘‘۔

تاریخ میں محفوظ واقعات شاہد ہیں کہ اصحاب رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہم موت سے کھیل جانے اور شدید ترین آزمائش وامتحان میں کود پڑنے اور نبرد آزما ہونے کے لیے تو تیار رہتے تھے، لیکن دین وایمان اور ضمیر کے خلاف کسی بھی نافرمانی ومصلحت کی شی کو انہوں نے کبھی قبول نہیں کیا۔ خواہ عزمیت واستقامت کی خاطر انہیں کتنی ہی کٹھن راہوں اور دشوارگذار گھاٹیوں سے ہی کیوں نہ گذرنا پڑا ہو، اور کتنی ہی عظیم ترین قربانیاں کیوں نہ دینی پڑی ہوں۔ یہ ہی تو وہ صاحب عزم وشجاعت اصحاب رسولؐ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید نے کھلے طور پر اعلان کیا کہ وہ دینی معاملات میں کسی بھی ملامت وخوف کی پرواہ نہیں کرتے **ولا یخافون لومة لائم** (سورۃ المائدۃ: ۵۴) اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ زیر بحث معاملہ میں اگر دینی قباحت ہوتی تو پھر حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کی پیروی میں تابعین عظامؒ تو جان پر کھیل سکتے تھے، لیکن کسی خوف یا لالچ میں آکر غلط بات کے سامنے سرتسلیم خم کر کے مداہنت ومنافقت اور تقیہ بازی کا اظہار ہرگز نہ کرتے۔ نیز مدبر اسلام سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور کاتب قرآن سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ جیسے اکابر امت کی مسلمہ صحابیت اور صحابیت کے لازمی اوصاف ثقاہت وعدالت اس کا بین ثبوت ہیں کہ ولی عہدی کی اس تجویز وتحریک میں نہ تو ذاتی اغراض ومفادات اور غیر شرعی احساسات کا دخل تھا، اور نہ ہی اللہ ورسول کے احکام سے سرتابی ونافرمانی کا کوئی شائبہ ایسا ہوتا تو نہ ان حضرات کی جانب سے تحریک کی جاتی اور نہ ہی اس کی تائید وحمایت میں صحابہؓ وتابعینؒ کا وہ فقید المثال ’’اجماعی فیصلہ‘‘ عمل میں آتا۔ جو ہزار پیچ وتاب اور تاویلات کے باوجود بھی ایک ناقابل انکار تاریخی

حقیقت ہے۔

غیر صحابی خلفائے اسلام میں سیدنا یزیدؒ ہی وہ خوش نصیب شخص ہیں جن کے زمانہ ولی عہدی سن ۵۰ ہجری بلکہ اس کے بعد ان کے عہد خلافت تک بڑی تعداد میں حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ نیز یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اس ولی عہدی کی مخالفت میں ووٹ نہیں دیا۔

مشہور مصری مؤرخ علامہ خضری بکؔ لکھتے ہیں:

"وقد كان في ذٰلك العصر كثيرٌ من الصحابة بالحجاز والشام والبصرة والكوفة ومصر الخ"

(اتمام الوفاء مطبوعہ مصر ص ر ۱۴)

''اس وقت حجاز، شام، بصرہ، کوفہ، اور مصر میں بکثرت صحابہ کرامؓ موجود تھے''۔

سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی اور پھر خلافت کے زمانہ میں اگر چہ بکثرت صحابہ کرامؓ بقید حیات تھے، تاہم جن حضرات کے اسمائے گرامی رجال وسیر کی کتابوں میں سن وفات کی صراحت کے ساتھ موجود ہیں، شیخ الاسلام امام اہل سنت علامہ محمود عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں چھان بین کر کے کیا ہے **فجزاہ اللہ تعالی احسن الجزاء**

شیخ الاسلام علامہ عباسی مرحوم ومغفور ارقام فرماتے ہیں:

''عہدِ رسالت وصدر اسلام کی جن محترم ہستیوں، ازواج مطہراتؓ وصحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی اور مختصر حالات ابتدائی صفحات میں درج ہیں باعتبار خصوصیات وشان امتیاز

حسب ذیل ہیں:

۱۔ازواج مطہرات ۵

۲۔اصحاب عشرہ مبشرہ ۲

۳۔بدری صحابہ ۱۸

۴۔اصحاب بیعت الرضوان ۱۴

۵۔دیگر صحابہ ۲۳۳

ٹوٹل: ۲۷۲

ان میں سے تقریباً ایک تہائی یعنی (۳۸) تو امیر یزیدؒ کی ولی عہدی (۵۱۔۶۰ھ) کے مختلف سنین میں رہ گزار عالم جاودانی ہوئے، باقی (۱۹۸) ان کے عہد خلافت میں حیات رہے اور بعض اس کے بھی بعد تک۔''

(تحقیق مزید ص ر ۵۸)

مناسب ہوگا کہ امہات المؤمنینؓ، اصحاب عشرہ مبشرہؓ، اصحاب بدرؓ، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر صحابہ کرامؓ کے کچھ اسمائے گرامی مع سنین وفات یہاں درج کر دیے جائیں، تفصیلی معلومات کے لیے علامہ مرحوم کی کتاب ''تحقیق مزید'' کے ابتدائی سو صفحات کا مطالعہ کیا جائے۔

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سنین وفات
۱	ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا	۵۴ھ
۲	ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا	۵۶ھ

۳	ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا	۵۸ھ
۴	ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۵۹ھ
۵	ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا	۶۱ھ

اصحاب عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سنین وفات
۱	سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۵۵ھ یا ۵۹ھ
۲	سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ	۵۱ھ

اصحاب بدر رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سنین وفات
۱	حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ	۵۱ھ
۲	حضرت ابو بردہ ہانی بن نیار رضی اللہ عنہ	۵۲ھ
۳	حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ	۵۲ھ
۴	حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ	۵۲ھ
۵	حضرت نعمان بن عمرو رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۶	حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ	۵۵ھ
۷	حضرت کعب بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ	۵۵ھ
۸	حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ انصاری رضی اللہ عنہ	۶۰ھ

۹	حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ	۶۰ ھ
۱۰	حضرت جابر بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ	۶۱ ھ
۱۱	حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ	۶۳ ھ
۱۲	حضرت شداد بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۱۳	حضرت سائب بن خلاد انصاری رضی اللہ عنہ	۷۱ ھ
۱۴	حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ	۷۸ ھ

اصحاب بیعتِ رضوان رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سنین وفات
۱	حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ	۵۱ ھ
۲	حضرت عائذ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ	۵۳ ھ
۳	حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ	۶۱ ھ
۴	حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۵	حضرت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ	۶۹ ھ
۶	حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ	۷۰ ھ
۷	حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ	۷۱ ھ
۸	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۷۴ ھ
۹	حضرت سلمہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	۷۴ ھ
۱۰	حضرت ابو ثعلبہ بن جرہم رضی اللہ عنہ	۷۵ ھ

۱۱	حضرت علقمہ بن خالد رضی اللہ عنہ	۸۷ھ

دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سنین وفات
۱	حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ	۵۱ھ
۲	حضرت ابو عیاش زید بن صامت رضی اللہ عنہ	۵۱ھ
۳	حضرت جعفر بن ابی سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ	۵۱ھ
۴	حضرت ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ	۵۲ھ
۵	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	۵۳ھ
۶	حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ	۵۳ھ
۷	عمران بن حصین رضی اللہ عنہ	۵۳ھ
۸	حضرت سفیان بن عوف غامدی رضی اللہ عنہ	۵۳ھ
۹	حضرت کعب بن عجرہ انصاری رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۰	حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۱	حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۲	حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۳	حضرت حکیم بن حزام اسدی رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۴	حضرت حویطب بن عمرو رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۵	حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ	۵۴ھ

۱۶	حضرت ثوبان بن مجد رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۷	حضرت عبد اللہ اُنَیس رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۸	حضرت سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ	۵۴ھ
۱۹	حضرت قثم بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہ	۵۵ھ
۲۰	حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ	۵۶ھ
۲۱	حضرت صائب بن ابی وداعہ سہمی رضی اللہ عنہ	۵۷ھ
۲۲	حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	۵۸ھ
۲۳	حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ	۵۹ھ
۲۴	حضرت اسامہ بن زید کلبی رضی اللہ عنہ	۵۹ھ
۲۵	حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ	۵۹ھ
۲۶	حضرت سعید بن العاص اموی رضی اللہ عنہ	۵۹ھ
۲۷	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۹ھ
۲۸	حضرت عبد اللہ بن سعد عامری رضی اللہ عنہ	۵۹ھ
۲۹	حضرت اوس بن حذیفہ ثقفی رضی اللہ عنہ	۵۹ھ
۳۰	حضرت سہل بن ابی حثمہ انصاری رضی اللہ عنہ	۵۹ھ
۳۱	حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ	۶۱ھ
۳۲	حضرت ہلال بن الحرث رضی اللہ عنہ	۶۰ھ
۳۳	حضرت ابو یزید عقیل بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ	۶۰ھ
۳۴	حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ	۶۱ھ

۳۵	حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ	۶۲ ھ
۳۶	حضرت عبد المطلب بن ربیعہ ہاشمی رضی اللہ عنہ	۶۲ ھ
۳۷	حضرت عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ	۶۳ ھ
۳۸	حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ	۶۳ ھ
۳۹	حضرت مسلم بن عقبہ فہری رضی اللہ عنہ	۶۳ ھ
۴۰	حضرت ولید بن عقبہ اموی رضی اللہ عنہ	۶۳ ھ
۴۱	حضرت جرہد بن خویلد مزنی رضی اللہ عنہ	۶۳ ھ
۴۲	حضرت جابر بن عبد اللہ قبطی رضی اللہ عنہ	۶۳ ھ
۴۳	حضرت ضحاک بن قیس فہری رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۴۴	حضرت مسور بن مخرمہ قریشی رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۴۵	حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۴۶	حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۴۷	حضرت ابوسعید بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۴۸	حضرت حارث بن نفیع انصاری رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۴۹	حضرت حارثہ بن بدر رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۵۰	حضرت زمل بن عمرو العذری رضی اللہ عنہ	۶۴ ھ
۵۱	حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ	۶۵ ھ
۵۲	حضرت مروان الحکم اموی رضی اللہ عنہ	۶۵ ھ
۵۳	حضرت اسماء بن خارجہ رضی اللہ عنہ	۶۵ ھ

۵۴	حضرت حارث بن عرف لیثی رضی اللہ عنہ	۶۶ھ
۵۵	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۶۸ھ
۵۶	حضرت عبداللہ بن عمرو سہمی رضی اللہ عنہ	۶۸ھ
۵۷	حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہ	۶۸ھ
۵۸	حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ	۶۸ھ
۵۹	حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ	۶۸ھ
۶۰	حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ	۶۸ھ
۶۱	حضرت خویلد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ	۶۸ھ
۶۲	حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ	۶۹ھ
۶۳	حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۷۰ھ
۶۴	حضرت سعید بن نمران ہمدانی رضی اللہ عنہ	۷۰ھ
۶۵	حضرت ثعلبہ بن حکم لیثی رضی اللہ عنہ	۷۰ھ
۶۶	حضرت حارث بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ	۷۰ھ
۶۷	حضرت عبداللہ بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ	۷۱ھ
۶۸	حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ	۷۱ھ
۶۹	حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ	۷۲ھ
۷۰	حضرت عبداللہ بن حازم اسلمی رضی اللہ عنہ	۷۲ھ
۷۱	حضرت حارث بن سوید رضی اللہ عنہ	۷۲ھ
۷۲	حضرت نافع بن خدیج حارثی رضی اللہ عنہ	۷۳ھ

۷۳	حضرت اوس بن ضمعج حضرمی رضی اللہ عنہ	۷۳ھ
۷۴	حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ	۷۴ھ
۷۵	حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ	۷۴ھ
۷۶	حضرت زرارہ بن جُز کلابی رضی اللہ عنہ	۷۴ھ
۷۷	حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ	۷۴ھ
۷۸	حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ	۷۵ھ
۷۹	حضرت زہیر بن قیس رضی اللہ عنہ	۷۶ھ
۸۰	حضرت سائب بن خباب مدنی رضی اللہ عنہ	۷۷ھ
۸۱	حضرت سائب بن یزید کندی رضی اللہ عنہ	۸۰ھ
۸۲	حضرت جبیر بن نضیر حضرمی رضی اللہ عنہ	۸۰ھ
۸۳	حضرت عبداللہ بن حوالہ اردنی رضی اللہ عنہ	۸۰ھ
۸۴	حضرت جنادہ بن امیہ الدوسی رضی اللہ عنہ	۸۰ھ
۸۵	حضرت طارق بن شہاب البجلی رضی اللہ عنہ	۸۳ھ
۸۶	حضرت اسود بن بلال رضی اللہ عنہ	۸۴ھ
۸۷	حضرت عبداللہ بن جعفر الطیار رضی اللہ عنہ	۸۵
۸۸	حضرت عبداللہ بن حارث زبیدی رضی اللہ عنہ	۸۶ھ
۸۹	حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ	۸۹ھ
۹۰	حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ	۹۱ھ
۹۱	حضرت ابوسنان العبدی رضی اللہ عنہ	۹۱ھ

۹۲	حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ	۹۳ھ
۹۳	حضرت سعد بن ایاس الشیبانی رضی اللہ عنہ	۹۵ھ
۹۴	حضرت حارث بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ	۹۴ھ
۹۵	حضرت عبداللہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ	۹۶ھ
۹۶	حضرت محمود بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ	۹۶ھ
۹۷	حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ	۹۷ھ
۹۸	حضرت سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ	۱۰۰ھ
۹۹	حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ	۱۰۰ھ
۱۰۰	حضرت عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ	۱۰۰ھ
۱۰۱	حضرت ابوعنبہ الخولانی رضی اللہ عنہ	۱۰۸ھ

انتخابِ خلیفہ کا اسلامی تصور

- ------------------------------منصب خلافت
- ------------------------------الراشدون
- ------------------------------فرق مراتب
- ------------------------------طریق انتخاب
- ------------------------------علمائے محققین کا فیصلہ
- ------------------------------باپ کے بیٹا

انتخابِ خلیفہ کا اسلامی تصور

سربراہ کا تقرر۔۔۔ ہر قوم کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے، جس کے بغیر قومی تشخص، اجتماعی نظم اور دشمنوں سے دفاع وغیرہ جیسے اہم معاملات ناممکن ہوتے ہیں۔ اقوامِ عالم نے اس قومی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے متعدد طریقے متعین کیے ہیں۔ دوسری قوموں کے نظام حکمرانی چونکہ اس وقت زیر بحث نہیں۔ اس لیے ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، یہاں صرف یہ جاننے پر اکتفا کیا جائے گا کہ آیا اسلام نے اپنے ماننے والوں کو سربراہ کے تقرر یا اقتدار کی منتقلی کے بارے میں کوئی راہنمائی کی ہے۔۔۔؟

قرآن حکیم، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اس سلسلہ میں کسی ایک طریقہ کو مختص قرار دے کر دوسرے تمام ممکنہ طریقوں کی ممانعت نہیں کی بلکہ یہ رخصت وسہولت دی ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق جو طریقہ مناسب ہو اختیار کر لیا جائے، البتہ اختیار کردہ طریقہ اور اس کے نتیجہ میں منتخب ہونے والے سربراہ کو جمہورِ امت کی تائید وحمایت حاصل ہونا لازمی ہے، تاکہ ''اسلامی خلافت'' کی وہ خصوصیات پورے طور پر بروئے عمل آسکیں، جن کے بغیر کسی بھی حکومت کو اللہ اور اس کے رسول کی پسندیدہ۔۔۔یا خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ اسلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ منتخب ہونے والا شخص مسلمانوں کی کس ذات، پات یا

رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہے اور اُسے اس منصب تک رسائی کے لیے نامزدگی ، شورائیت اور جمہوریت وغیرہ انتخابی طریقوں میں سے کون سا فارمولا اختیار کیا گیا۔ اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ حاکم مقرر کرنے اور نظم مملکت چلانے کے لیے چاہے جو بھی صورت اختیار کی جائے لیکن بہر طور مسلم اجتماعیت کو نقصان نہ پہنچنا چاہیے اور نہ ہی اللہ کے بتائے ہوئے اوصاف وخصوصیات کو پامال ہونے دینا چاہیے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

(سورۃ النور: ۵۵)

’’تم میں سے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا، جیسا کہ ان سے پہلوں کو دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا اسے ان کے واسطے قوت دے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا (بشرطیکہ) وہ میری عبادت کرتے رہیں۔ میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ بنائیں، اور جو اس کے بعد بھی انکار کریں وہی نافرمان ہیں۔‘‘

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

(سورۃ الحج:۴۱)

''اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں ۔تمام کاموں کا انجام اللہ کے ہی قبضے میں ہے۔''

مندرجہ بالا آیات کریمہ، اگرچہ زیرِ بحث موضوع سے متعلق خاصے مضامین پر مشتمل ہیں، ہم سرِ دست ان میں سے چند وہ امور بیان کرنے پر اکتفا کریں گے،جنہیں اسلامی ریاست کے بنیادی خصائص کی حیثیت حاصل ہے۔

اول: امت مسلمہ کے وہ افراد، اسلامی خلافت کی سربراہی وحکمرانی کے صحیح معنی میں مستحق ہوں گے جو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کے حامل ہوں۔

دوم: اسلامی خلافت میں اللہ کے پسندیدہ دین کو تمکنت وشوکت حاصل ہوگی۔

سوم: امن وسلامتی اور بےخوفی کا دوردورہ ہوگا۔

چہارم: **یعبدوننی...** اور **اقیموا الصلوٰۃ** کے پیش نظر نہ صرف صلاۃِ پنجگانہ، بلکہ حقوق وعبادات الٰہی کے منظم ومسلسل پروگرام کو اولیت حاصل رہے گی۔

پنجم: دولت کی اخذ وتقسیم کے اس عادلانہ اقتصادی نظام کو بڑی اہمیت حاصل ہوگی جسے ایتائے زکوٰۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ششم: امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے اہم،ضروری اور اصلاحی پروگرام کو وسعت

وہمی گیر حاصل ہوگی، تاکہ انسانی معاشرہ جرائم اور بداعمالیوں سے پاک ہوکر اپنے خالق و مالک جل شانہ کی خوشنودی کی جانب جادہ پیمارہ سکے۔

آیت کریمہ میں کیا گیا وعدہ ''وعدۂ استخلاف'' اگرچہ شانِ نزول کے اعتبار سے حضرات خلفائے راشدین کی خلافت وحقانیت پر واضح اور ناقابلِ انکار دلیل ہے اور یقیناً آیات کریمہ میں بیان کردہ اوصاف کی حامل اصحابِ رسول کی خلافت راشدہ اس کا اولین مصداق ہے، لیکن چونکہ قرآن مجید کی رہنمائی وہدایت زمان ومکان اور اشخاص کی حدبندیوں سے بالا' قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کے لیے عام ہے اس لیے احکام وافضال ربانی کی عمومیت کے پیش نظر ماننا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے استخلاف فی الارض کو مسلمانوں کے کسی قبیلے وخاندان، رنگ ونسل، اور کسی طبقے وفرد کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے لیے صرف ایمان اور صالحیت کو کافی سمجھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس عموم کو خصوص میں تبدیل کر کے یہ کہا جائے کہ آیات میں بیان کردہ خلافت نبی ﷺ کے بعد صرف چند برسوں تک چل کر ختم ہوگئی۔

جناب رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"كانت بنواسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لا نبي بعدي فسيكون خلفاء فيكثرون قالوا فما تأمرنا قال فوا ببيعة الاول فالاول اعطوهم حقهم فان الله سائلهم عما استرعاهم"

(بخاری ج ۱، ص ۴۹۱۔ مسلم ج ۲، ص ۱۲۶)

''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرام کے ہاتھوں میں تھی ، جب بھی کسی نبی کا انتقال ہوتا تو دوسرا نبی اس کی قائم مقامی کرتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے ، صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو پہلے آتا جائے اس کی بیعت پوری کرو اور تم ان کے حقوق ادا کرتے رہو، اللہ تعالیٰ رعایا کے بارے میں ان سے خود باز پُرس کرلے گا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ''متفق علیہ'' ارشاد گرامی سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اسلام میں انتخابِ خلیفہ کے لیے کوئی مخصوص طریقۂ کار نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے متعلق اس اہم اور ضروری معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح ہدایت ارشاد نہ فرماتے ، یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے معمولات کے بارے میں تو تفصیلی احکام ، جاری فرمائیں، لیکن جو معاملہ مسلم قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجمالی بیان تک کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، وجہ اس کی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں انتخابِ خلیفہ کے لیے کسی مقرر طریقہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اس لیے اسے اپنے دور کے لیے سربراہ کا چناؤ کرنے والے مسلمانوں پر چھوڑ کر صرف ان اوصاف وخصائص کے بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا جو مسلمان سربراہ اور اسلامی خلافت کے لیے ضروری تھے۔ اور جن کے بغیر اسلامی خلافت کا تصور ہی بے معنی ہے۔۔۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے بعد بہت خلفاء ہوں گے جنہیں کسی خاص تعداد تک محدود و مقید نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ہی اصولی طور پر اسلامی خلافت کو مخصوص اشخاص اور کسی خاندان یا قبیلے کے ساتھ مختص قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتخابی دستور کی اس اہم شق کو صراحت کے ساتھ ضرور بیان فرماتے، اس لیے لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جس طرح گذشتہ سطور میں پیش کردہ آیات کریمہ انتخابِ خلیفہ کے سلسلہ میں رخصت و وسعت پر مشتمل ہیں، اسی عموم کو ارشاد نبوی میں بیان فرمایا گیا ہے۔ بنابریں بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ قیامت تک نسل انسانی کی راہنمائی کرنے والا اسلام جس خلافت کا طالب ہے اسے عہدِ رسالت کے بعد زمان و مکان اور اشخاص کا ہرگز پابند نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات بالکل درست و ثابت ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق پیشین گوئی کے انداز میں فرمایا کہ:

"لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة کلھم من قریش"

(بخاری ج/۲،ص/۱۰۷۲، مسلم ج/۲،ص/۱۱۹)

''اسلام ہمیشہ غالب و سربلند رہے گا، بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔''

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت میں سنن ابوداؤد جلد دوم ص/۵۸۸ کے مطابق یہ الفاظ مزید بیان ہوئے ہیں **کلھم تجتمع علیه الامة** یعنی یہ تمام بارہ خلفاء وہ ہوں گے جن پر امت مجتمع ہوئی ہوگی۔

اس روایت سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسلامی خلافت کو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لیے مختص قرار دیا ہے۔اسی لیے ان حضرات کا کہنا ہے کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا لازمی شرط ہے، غیر قریشی شخص کی خلافت درست نہیں۔۔۔ حالانکہ ذہن کو ہر قسم کی بے جا جانب داری اور پیشگی قائم کردہ تصورات سے خالی کر کے روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو صاف طور سے معلوم ہوگا کہ اس ارشاد مبارک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد خلفاء کے لیے قریشی ہونا لازمی شرط بطور بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ ایک پیشین گوئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ اطلاعِ ربانی مستقبل میں درپیش تکوینی معاملہ کی خبر دی ہے کہ میرے بعد ایسا ہوگا۔ اس بیان کو صحتِ خلافت کے لیے دستوری ضابطہ سمجھ لینا قطعاً صحیح نہیں۔۔۔عہدِ رسالت کے بعد ہونے والے ان خلفاء کے دور میں اسلامی شوکت وسربلندی سے متعلق خوشخبری اور ان سب کی خلافت پر امت مسلمہ کے اجتماع کی اطلاع اس بات کا ناقابلِ انکار ثبوت ہیں کہ یہ ایک پیشین گوئی ہے، انتخابِ خلیفہ کے سلسلہ میں کسی حکم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

حضرات خلفائے راشدین۔۔۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نیز دیگر خلفائے بنی امیہ کی خوش نصیبی کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کا مصداق ہوکر دین اسلام کو سرسبز وسربلند رکھنے کی توفیق ملی **ذٰلك الفضل من اللہ ونعمتہ**

شارحین کرام نے زیر بحث حدیث میں وارد شدہ بارہ خلفائے اسلام کی تفصیل بتلاتے ہوئے پانچویں خلیفہ کے طور پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور چھٹے خلیفہ کی حیثیت سے سیدنا یزید رحمہ اللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو شمار کیا ہے۔

علامہ علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

فالاثنی عشر هم الخلفاء الراشدون الاربعة ومعاوية وابنه يزيد وعبدالملك بن مروان واولاده الاربعة وبينهم عمر بن عبدالعزيز

(شرح فقہ اکبر ص ر ۸۴ مجتبائی)

''ارشاد نبوی میں ذکرہ کردہ بارہ خلفاء یہ ہیں۔۔۔ چار خلفائے راشدینؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے صاحبزادے امیر یزیدؒ، عبدالملک بن مروانؒ اور ان کے چاروں لڑکے (ولید، سلیمان، ہشام، یزید) نیز انہی میں عمر بن عبدالعزیزؒ بھی ہیں۔''

علامہ السید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

'' علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاضؒ اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجرؒ ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلفات پر تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ہشام۔''

(سیرت النبیؐ ج ر ۳ ص ر ۶۰۴)

قرآن مجید کی واضح آیات اور پیش کردہ ان صحیح احادیث کے مقابلہ میں

عموماً ایک روایت پیش کی جاتی ہے، مناسب ہے کہ اس پر بھی غور کرتے چلیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك"

(ترمذی ج/۲، ص/۳۲۶)

''میری امت میں خلافت تیس برس رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔''

اس روایت کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ تیس سال کی مدت حضرات خلفائے ثلاثہ کی پچیس سالہ خلافت اور حضرت علیؓ کے ساڑھے چار سالہ پرفتن دور کے چھ مہینے بعد اس وقت پوری ہوتی ہے جب حضرت حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبرداری اختیار کر لی۔ اس لیے سیدنا حسنؓ کے بعد ہونے والے حکمران خلیفہ نہیں بادشاہ ہوئے اور ان کی حکومت، خلافت نہیں ملوکیت وبادشاہت تھی اور وہ بھی کٹکھنی (ملک عضوض) یعنی زورزبردستی اور دھینگا مشتی کی۔

جو حضرات اس روایت کو خلافت کی تیس سالہ تحدید کے سلسلہ میں حرفِ آخر کے طور پر پیش کرتے ہیں، اللہ جانے وہ کسی قطعی فیصلے اور یقینی نتیجہ تک پہنچنے سے پہلے مندرجہ ذیل اہم اور بنیادی باتوں سے کیوں آنکھیں چرا لیتے ہیں۔

اول:

گذشتہ صفحات میں قرآن مجید کی صاف وصریح آیات سے معلوم ہو چکا ہے کہ خلافت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے سن وسال اور اشخاص وقبائل کی کوئی تحدید وتخصیص نہیں فرمائی، بلکہ اسے ہر قسم کی قیود اور حد بندیوں سے بالا ''اسلام کا اجتماعی

نظام'' قرار دیا ہے۔اس لیے ہر وہ روایت جو اس قرآنی عموم کو پابندِ تحدید و تخصیص قرار دے وہ قرآن کریم کے مخالف ہونے کی وجہ سے قطعاً قابلِ قبول اور لائق توجہ نہیں۔

دوم:

حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ''متفق علیہ'' ارشاد نبوی ﷺ پچھلے اوراق میں درج کیا گیا،جس میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے بعد بہت سے خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔۔۔جن میں وہ بارہ قریشی خلفاء بھی شامل ہیں جن کے ذریعہ اسلام کی سربلندی سے متعلق آپ ﷺ نے اطلاع دی، اور جن میں علی الترتیب پانچویں اور چھٹے خلیفہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے فرزند سیدنا یزیدؒ ہیں۔۔۔اب علم وفہم اور حق انصاف سے کام لے کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مضمونِ قرآن سے پوری طرح مطابقت رکھنے والی اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں تیس برس والی کمزور اور سقیم روایت کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

سوم:

کسی روایت کے صحیح اور غلط جانچنے کے لیے راویوں کے متعلق یہ معلوم کرنا از حد ضروری ہے کہ آیا وہ معتبر بھی ہیں یا نہیں۔۔۔ چنانچہ اسماء رجال کی جانب مراجعت سے پتہ چلتا ہے کہ اس روایت میں کئی راوی ایسے ہیں جن کا ثقہ اور معتبر ہونا محدثین کرامؒ کے نزدیک مختلف فیہ اور معرض بحث ہے۔

مشہور و معروف مصری محقق، علامہ محب الدین الخطیبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت سفینہؓ سے اس حدیث کا راوی سعید بن جمہان ہے
اس میں اختلاف ہے،بعض نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ،

بعض نے اسے ثقہ کہا، امام ابو حاتم نے کہا اس بوڑھے سے
احتجاج نہ کیا جائے۔ اور اس کی سند میں حشرج بن نباتہ واسطی
ہے، بعض نے اسے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے کہا کمزور ہے اور
عبداللہ بن احمد بن حنبل اس حدیث کو شوید بن طحان سے
روایت کرتے ہیں ان کے متعلق حافظ ابن حجر تقریب میں کہتے
ہیں، اس کی حدیث کمزور ہے۔''

(العواصم من القواصم عربی ص/۲۰۱۔ اردو ص/۳۲۶)

زیرِ بحث روایت کے اسی سقم اور فنی کمزوری کی وجہ سے علماء کو اس کے صحیح تسلیم کرنے میں تامل رہا ہے۔

حجۃ الاسلام قاضی ابوبکر ابن العربیؒ ارقام فرماتے ہیں:

هٰذا حديث لا يصح (العواصم من القواصم ص/۲۰۱)

یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (العواصم اردو ص ۳۲۶)

علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ:

''حديث الخلافة بعدي ثلاثون سنة'' کی طرف توجہ نہ
کرنا چاہیے کیوں کہ اس کی صحت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔''

(تاریخ ابن خلدون اردو ج/۱ ص/۵۵۸)

غرض یہ کہ اس کمزور اور بودے روایتی سہارے کو بنیاد بنا کر کتاب وسنت کی واضح اور عام ہدایات کے مقابلہ میں پیش کرتے ہوئے یہ کہنا قطعاً درست نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت صرف تیس برس قائم رہی اور اس کے بعد دھونس و دھپل کی بادشاہت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ تاریخ کے گہرے مطالعہ سے

صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ روایت صرف اس لیے وضع کی گئی ہے تاکہ حضرت علیؓ کا آزمائشی اور خانہ جنگیوں سے بھرا ہوا ساڑھے چار سالہ پُرفتن دور گذرنے کے بعد حضرت معاویہؓ اور آپ کے بعد دیگر خلفائے بنوامیہ کے کامیاب دورِ خلافت اور ان کے زریں کارناموں پر دھول ڑائی جاسکے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وحی ربانی سے سرفراز ہوکر پیشین گوئی ارشاد فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ جنگی و برادرکشی اور پریشانیوں سے بھرے ہوئے زمانہ کو تو ''خلافت'' جیسے مقدس عنوان میں داخل فرامایا ہو۔ لیکن سیدنا معاویہؓ اور سیدنا یزیدؒ وغیرہ خلفائے اسلام کے اس عہد کو تیس سال سے باہر ہونے کے جرم میں خلافت کے لفظ تک سے محروم قرار دے دیا ہو، جس میں اسلام اور مسلمانوں کو اس قدر سربلندی وشوکت حاصل رہی کہ ہزار جتن کے باوجود آج تک تاریخ کے سینے سے اسے کھرچا نہیں جاسکا۔

الراشدون:

قرآن وسنت اور مقامِ صحابہؓ کی عظمت سے بے خبر لوگوں کو مسلسل پروپیگنڈے کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ خلفائے راشدین صرف چار ہیں۔ انہیں چاروں حضرات سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی خلافت ہی خلافتِ راشدہ ہے ان کے بعد سیدنا معاویہؓ سمیت تمام خلفاء نہ ''راشد'' ہیں اور نہ ہی ان کی حکمرانی کو خلافت کا نام دیا جاسکتا ہے۔۔۔ حالانکہ قرآن مجید میں تمام صحابہ کرامؓ کو ''الراشدون'' فرمایا گیا ہے: **أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً** (سورہ حجرات: ۷) ''یہی (صحابہ کرامؓ) اللہ کے فضل وکرم سے راشد یعنی نیک چلن ہیں۔''

سیدنا معاویہؓ بھی چونکہ جماعت صحابہ ہی کے ایک ممتاز فرد ہیں، اس لیے لامحالہ ارشاد ربانی کے مطابق وہ ''راشد'' ہیں۔۔۔تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپؓ کے ذریعہ قائم شدہ نظام حکومت کو خلافت راشدہ کے علاوہ کسی دوسرے نام سے موسوم کیا جائے۔۔۔کیسی عجیب بات ہے کہ آفات وفتن اور دھندوکار سے بھرا ہوا ''علوی دور'' تو خلافت راشدہ ہو اور امن وعافیت، سلامتی واتحاد سے بھرپور حضرت معاویہؓ کے اس عہد مبارک کو ملوکیت اور کٹکھنی بادشاہت کا نام دے کر کیڑے نکالے جائیں، جس کے آغاز کو نہ صرف ہمعصر امت نے ''عام الجماعت'' کے عنوان سے تعبیر کیا۔۔۔ بلکہ تاریخ اسلام اسے اسی ایمان افروز نام سے آج تک اپنے اوراق میں محفوظ کیے ہوئے ہے۔

لاریب قرآن مجید کی مقدس آیات پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص بھی کسی ایسی حکومت کو برے معنی میں بادشاہت یا ملوکیت کہنے کی جرأت وجسارت نہیں کر سکتا، جس کے قیام وسربراہی کے فرائض اللہ کے ارشاد فرمودہ اوصاف کے مطابق صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انجام دے رہے ہوں جس میں انتظامی واصلاحی معاملات اصحاب رسول صلوٰت اللہ علیہم کی نگرانی میں بے پاتے ہوں۔

فرقِ مراتب:

اب تک کی گفتگو سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی کہ قرآن وسنت کی رُو سے اسلامی خلافت اشخاص واوقات میں محدود نہیں ''الراشدون'' کا ربانی لقب پانے والے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد دیگر باصلاحیت وخوش قسمت افراد جنہیں گذشتہ صفحات میں درج کردہ آیات استخلاف وتمکین میں بیان کیے گئے اوصاف وخصائص کی حامل حکمرانی کا موقع ملا، بلاشبہ وہ سب ہی بشارت نبویؐ کے مصداق

خلفائے اسلام تھے اور ان کا قائم کردہ اجتماعی نظام ہی درحقیقت وہ اسلامی خلافت تھی جس میں نبی صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دین اسلام کو عظمت وشوکت اور سربلندی وسرفرازی حاصل رہی۔۔۔لیکن اس سے یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہونے والے تمام خلفاء اور ان کی خلافتیں مساویانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں۔۔۔ بلکہ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ جس طرح تمام جماعت صحابہ میں منفرد اور سب سے بلند مقام رکھتے ہیں، اسی طرح ان کی خلافت راشدہ کو بھی بعد کی تمام خلافتوں سے اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے۔۔۔اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ سیدنا معاویہؓ بھی خلیفہ راشد ہیں اور آپ نے اپنی خلافت راشدہ کے زمانے میں اسلام اور انسانیت کی بیش از بیش خدمات انجام دیں۔ نیز یہ بھی ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آپ کے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ صحابی نہیں ایک جلیل القدر تابعی تھے جن کے عہدِ خلافت میں کاروبار خلافت عملا صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں میں تھا۔ بایں ہمہ ان ہر دو ''سیدین کریمین'' کی خلافت کو خلفائے راشدین ثلاثہؓ کے برابر وہم پلہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہؓ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو فضیلت وخلافت ہر دو اوصاف میں وہ بلند وممتاز درجہ حاصل ہے جہاں امت کا بڑے سے بڑا شخص بھی رسائی نہیں پاسکتا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''کنا فی زمن النبی ﷺ لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر

ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبی ﷺ لا نفاضل بینهم“

(صحیح بخاری ج/۱ ص/ ۵۲۳، سنن ابی داؤد ج/ ۲ ص/ ۶۳۶، مشکوٰۃ ص/ ۵۵۵)

”ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کو۔۔۔ پھر ہم صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے۔“

سنن ابوداؤد ج/ ۲ ص/ ۶۳۶ کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور موجودگی میں یہ بات کہا کرتے تھے۔۔۔ نیز طبرانی بحوالہ فتح الباری کی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ: **فیسمع رسول الله ﷺ ولا ینکر** (حاشیہ بخاری ج/۱ ص/ ۵۲۳) ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری یہ بات سن کر انکار نہ فرماتے تھے۔“

سیدنا علیؓ کے صاحبزادے سیدنا محمدؒ بن علیؓ۔۔۔ جنہیں عموماً ”ابن حنفیہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

“قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی ﷺ قال ابوبکر فقال قلت ثم من قال عمر وخشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال ما أنا الا رجل من المسلمین“

(بخاری ج/۱ ص/ ۵۱۸ وابوداؤد ج/ ۲ ص/ ۶۳۶)

”میں نے اپنے والد (حضرت علیؓ) سے معلوم کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل کون ہے تو آپ نے

جواب دیا کہ حضرت ابوبکرؓ، میں نے پھر دریافت کیا کہ ان
کے بعد کون؟ تو آپ نے فرمایا عمرؓ مجھے خوف ہوا کہ اب کی
مرتبہ آپ حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے۔ اس لیے میں نے عرض
کیا کہ پھر (حضرت ابوبکر و عمر کے بعد) آپ کا مرتبہ
ہے۔۔۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو عام مسلمانوں میں سے
ایک ہوں۔''

سیدنا ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟
اس پر ایک شخص نے کہا:

''رأیت کان میزانا نزل من السماء فوزنت انت وابوبکر فرجحت انت، ووزن ابوبکر وعمر فرجح ابوبکر، ووزن عمر وعثمان فرجح عمر ثم رفع المیزان فاستاءها رسول الله ﷺ یعنی فساءه ذلك فقال خلافة نبوة ثم یوتی الله الملك من یشاء''

(مشکوٰۃ ص/۵۶۰، ابوداؤد ج/۲ ص/۶۳۷، ترمذی ج/۲ ص/۵۲)

''میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری ہے، آپ اور ابوبکر تولے گئے تو آپ کا وزن زیادہ رہا۔ ابوبکر و عمر تولے گئے تو ابوبکر کا وزن زیادہ رہا اور عمر و عثمان تولے گئے تو عمر کا وزن زیادہ رہا۔ پھر ترازو اٹھا لی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت پر گرانی ہوئی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ یہ ''خلافت نبوت'' ہے اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا حکومت دے گا۔''

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں:

''ان رسول الله ﷺ قال ان اری اللیلة رجل صالح ان ابابکر نیط برسول الله ﷺ ونیط عمر بابی بکر ونیط عثمان بعمر ۔ قال جابر فلما قمنا من عند رسول الله ﷺ قلنا اما الرجل الصالح فرسول الله ﷺ اما تنوط بعضهم ببعض فهم ولاة هٰذاالامر الذی بعث الله به نبیه ﷺ''

(ابوداؤد ج/۲ ص/۶۳۷، مشکوٰۃ ص/۵۶۳)

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا آج رات ایک نیک شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابوبکرؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دامن سے لٹکائے گئے۔ عمرؓ ابوبکرؓ کے دامن سے اور عثمانؓ عمرؓ کے دامن سے ۔۔۔۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ہم نے آپس میں کہا کہ وہ نیک شخص جسے یہ خواب دکھایا گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ اور رہا حضرات ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے کے دامن سے لٹکنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس دین کے حاکم وخلفاء ہوں گے جو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دے کر بھیجا ہے۔''

حضرت سمرۃ بن جندبؓ فرماتے ہیں:

"ان رجلا قال یا رسول اللہ رأت کأن دلواً دلّی من السماء فجاء ابوبکر فاخذ بعراقیها نشرب شرباضعیفاً ثم جاء عمر فاخذ بعراقیها حتی تضلع ثم جاء عثمان فاخذ بعراقیها فشرب حتی تضلع ثم جاء علیؓ فاخذ بعراقیها فانتشطت وانتضح علیه منها شئ"

(ابوداؤد ج/۲ ص/۷ ٦۳)

''ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ڈول آسمان سے لٹکایا گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے اس کا حلقہ پکڑ کر ضعف ونرمی سے پانی پیا۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے سیر ہوکر پانی پیا۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ آئے اور انہوں نے بھی سیر ہوکر پیا۔ پھر حضرت علیؓ آئے اور انہوں نے اس کا حلقہ پکڑا تو وہ ڈول پھٹ گیا، اوراس میں سے کچھ چھینٹیں ان پر پڑیں۔''

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ:

''ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں پہنچا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا، پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور وہ سلام کر کے بیٹھ گئے ۔ پھر حضرت عمرؓ آئے پھر حضرت عثمانؓ آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں پڑی ہوئی تھیں،

آپ نے ان کو اپنی ہتھیلی میں رکھا تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی تسبیح کی گنگناہٹ سنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اٹھا کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں رکھا تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی تسبیح کی آواز سنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز۔ پھر آپ ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپ نے ان کو لے کر حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رکھا پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز سنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں پھر آپ نے ان کو لے کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی تسبیح کی آواز سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ''خلافت نبوت'' ہے۔''

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ لکھنوی مندرجہ بالا روایت کو بحوالہ بزار، طبرانی فی الاوسط اور سنن بیہقی نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ روایت ابن عساکر نے حضرت انسؓ سے نقل کی ہے اور اس میں اتنا مضمون زیادہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد پھر اور جس قدر صحابہ بیٹھے تھے سب کے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے وہ کنکریاں آپ نے رکھیں مگر کسی کے ہاتھ میں انہوں نے تسبیح نہ

پڑھی۔''

(سیرت خلفائے راشدین ص ر ۲۱۴)

مندرجہ بالا احادیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرات خلفائے راشدین ثلاثہؓ کو پوری جماعت صحابہ میں افضلیت حاصل ہے۔ ہم عصر صحابہؓ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی ہی میں کسی بھی دوسرے شخص کو ان کا ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم عصر صحابہؓ کے اس فیصلے سے آگاہ ہو کر نکیر نہ فرماتے ہوئے مہر تصدیق ثبت فرمائی۔۔۔ دوسری بات ان ہی روایات سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت ''خلافت راشدہ علی منہاج النبوت'' تھی، جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''خلافت خاصہ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی وہ تینوں خلافتیں ہیں جن میں تمکین فی الارض۔۔۔امن وسلامتی اور دینی سربلندی و استحکام کی وہ تمام خصوصیات کامل طور پر پائی جاتی ہیں جنہیں از روئے آیات و احادیث خلافت راشدہ کے لازمی شرائط کا درجہ حاصل ہے۔ نیز ارشادات نبویہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی یہ خلافت راشدہ علی منہاج النبوت' سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت پر اختتام کو پہنچی۔ چنانچہ صحابی رسول حضرت ثُمامہ بن عدی کو جو عہد عثمانی میں یمن کے عامل و گورنر تھے، جب حضرت عثمانؓ کی کربناک شہادت کی خبر ہوئی تو مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے شدت غم سے رو پڑے، اور دیر تک روتے رہے۔ پھر کہا کہ:

''آج امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔''

(الاستیعاب ج ر ۱ ص ر ۹۷، طبقات ابن سعد ج ر ۲ ص ر ۲۰۰)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''آں حضرت ﷺ دراحادیث بسیار تصریح وتلوید فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نہ خواہد شد۔''

(ازالۃ الخفاء ج/۲ ص ۲۴۹)

''نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث میں صراحت ووضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد ''خلافت خاصہ'' منتظم نہ رہ سکے گی۔''

خلافت راشدہ کی اس اعلیٰ قسم یعنی ''خلافت خاصہ'' کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اصطلاح کے مطابق ''خلافت عامہ'' کا دور شروع ہوا۔جس میں عہد علوی کی پُرفتن حکمرانی سے لے کر سیدنا معاویہؓ وسیدنا یزیدؒ کی پُرسکون خلافت کے بعد بہت سے خلفاء ہوئے۔خلافت خاصہ کے اختتام پر قائم ہونے والی خلافتوں میں سیدنا معاویہؓ وسیدنا یزیدؒ کی دو خلافتیں ایسی ہیں جنہیں مسلمان قوم کی متفقہ تائید وحمایت حاصل رہی۔اسی لیے ان کے دوران امن وعافیت، انسانی ہمدردی ومحبت، اسلامی خدمات اور تسخیر وفتوحات جیسی تمام نعمتیں پوری طرح موجود رہیں۔ پھر ان باتوں میں بتدریج کمی آتی چلی گئی، تا آنکہ بنوعباس نے عجمیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور سازباز کر کے بنوامیہ کا تختہ الٹ دیا۔

عہد مرتضویؓ:

چند صفحات پہلے قرآن مجید کی واضح ہدایت کی روشنی میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ کرامؓ ''راشد'' ہیں۔ چونکہ حضرت علیؓ کا صحابی ہونا محتاجِ تعارف نہیں، اس لیے لازماً تسلیم کرنا ہوگا کہ بلاشبہ آپ حضرات

خلفائے راشدین، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا معاویہؓ نیز دیگر تمام صحابہ کرامؓ کی طرح أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ میں شامل ہیں۔ اس لیے اگر آپ کو حسبِ سابق پُرامن حالات میں ہم عصر امت کی حمایت سے خلافت ملتی تو یقیناً آپ بھی ''صحابی راشد'' کی طرح اسلامی خلافت کی ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوسکتے تھے۔ لیکن یہ تاریخ کا المناک واقعہ ہے کہ سبائیوں اور عجمی منافقوں نے پہلے تو آپ کی خدمت میں رسائی حاصل کی اور پھر انہیں نے خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ کو قتل کر کے سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور ایک سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق خود ہی حکومت کے تمام سیاسی وانتظامی معاملات پر مسلط ہو گئے، جس کے نتیجہ میں حالات نے انتشار اور خانہ جنگی کا رُخ اختیار کرلیا۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ آخر دم تک آپ کی خلافت ہم عصر امت کی نگاہ میں نزاعی مسئلہ بنی رہی اور ایک مسلمانوں کے خون کی ارزانی کے باوجود اسے قیام واستحکام نصیب نہ ہوسکا، بلکہ دائرۂ حکومت آدھے سے بھی کم ہوکر رہ گیا۔ اس طرح آپ کا آزمائشی دور، سنن ابوداؤد کی اوپر نقل کردہ روایت کے ان الفاظ کی سچی تعبیر ثابت ہوا:

''ثم جاء علی فاخذ بعراقیها فانتشطت وانتفح علیه منها شئ''

''یعنی جب اس ڈول کو حضرت علیؓ نے پکڑا تو وہ پھٹ گیا۔ اور اس میں سے کچھ چھینٹیں ان پر پڑیں۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مرتضیٰ باوجود وفور اوصاف خلافت خاصہ در دے، متمکن نہ شد در خلافت ودر اقطار ارض حکم او نا فذ نگشت وہر روز

دائرہ سلطنت تنگ می شد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ماحولِ
آن محل حکومت نماند'' (ازالۃ الخفاء)

''حضرت علیؓ خلافت خاصہ کے بہت سے اوصاف رکھنے کے
باوجود خلافت پر متمکن نہ ہوسکے اور نہ ہی زمین میں ان کا حکم
نافذ ہوسکا۔ ہر روز ان کی حکومت کا دائرہ تنگ ہوتا چلا گیا،
یہاں تک کہ آخری دنوں میں ان کی حکومت صرف کوفہ اور اس
کے مضافات تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔''

مسئلہ خلافت سے متعلق تفصیلی بحث ہماری کتاب ''حضرت علیؓ کی سیاسی زندگی'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں مختصر طور پر یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلام میں سربراہِ مملکت کے لیے کسی مخصوص شخص کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ہر وہ مسلمان شخص جسے ہم عصر جمہور کی بھرپور حمایت حاصل ہو اور وہ ان شرائط وخصوصیات کو پورا اور نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں لازمی قرار دیا ہے۔ وہ اسلامی خلافت کا سربراہ وخلیفہ ہوسکتا ہے۔ اور جس شخص میں یہ خداداد صلاحیت جتنی زیادہ ہوگی، بلا شبہ انفرادی وشخصی فضائل وکمالات سے قطع نظر وہ منصبِ خلافت کا اتنا ہی اوروں کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہوگا۔

طریقِ انتخاب:

سربراہ، والی، حاکم اور خلیفہ کے انتخاب وتقرر سے متعلق اسلام نے کوئی ایسا لگا بندھا طریقہ بیان نہیں کیا جس کے علاوہ باقی تمام طریقوں کو ممنوع قرار دیا گیا ہو۔ بلکہ منتخب ہونے والے خلیفہ میں چند شرائط کی پابندی کے ساتھ اس بات کی

آزادی دی گئی ہے کہ مسلمان جس طرح چاہیں اپنی ضرورت وحالات کے مطابق کسی مناسب شخص کو اپنا والی مقرر کرلیں۔ البتہ سب سے اہم ترین چیز اہل اسلام کی اجتماعیت وشیرازہ بندی ہے جسے کسی حال میں نقصان نہ پہنچنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت اور عملِ صحابہ سے جس طریق انتخاب کی پسندیدگی کا ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ سربراہ پر ذمہ داری ہے کہ عام حالات میں وہ خود ہی اپنے بعد کے لیے جانشین مقرر کرجائے، تاکہ اندرونی یا بیرونی عوامل ومحرکات کو مسلم اجتماعیت واتحاد میں رخنہ اندازی کا موقع نہ مل سکے۔ نیز یاد رہے کہ اس جانشینی ونامزدگی کے لیے بھی کسی متعین شکل کو مختص نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس میں حالات وضروریات کی مطابقت سے کمی وبیشی اختیار کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدین کے طرزِ عمل تک اسی جانشینی والے طریقۂ انتخاب کی پسندیدگی اور رجحان کا ثبوت ملتا ہے۔

مندرجہ ذیل حقائق پر بہ انصاف غور فرمائیں ان شاءاللہ ہمارے اس دعوے کی حقانیت آفتاب نیمروز کی مانند واضح ہوجائے گی۔

اول:

سیدنا ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے دوست، نبوت کے بعد آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے، اسلام کی مخلصانہ خدمت میں تمام صحابہؓ میں ممتاز۔ ہجرت سے قبل اور بعد چھوٹے بڑے تمام معاملات میں آپ کے رفیق وندیم، زندگی بھر آپ کے مخلص مشیر اور معتمد وزیر رہے۔ بنابرایں وفات سے پیشتر

اپنی بیماری کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی جانشینی و نیابت میں صلاۃ پنجگانہ کی امامت پر مامور فرمایا، نیز ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ کے ہوتے ہوئے قوم میں میری نیابت کا حق کسی دوسرے کو نہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے لیے اپنے بعد خلافت کا پروانہ لکھ دیں تاکہ کسی بھی دوسرے شخص کے تنافس وانکار کا امکان نہ رہے۔ لیکن جب بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو گیا کہ میرے بعد ابوبکرؓ کی خلافت ہی مقدر ہو چکی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریر کا ارادہ ملتوی فرما دیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ کی جانب رجوع کی تلقین فرماتے تھے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:

"مرض النبی ﷺ فاشتد مرضه فقال مروا ابابکر فلیصل بالناس، قالت عائشةانه رجل رقیق اذا قام مقامك لم یستطع ان یصلی بالناس قال مری ابابکر فلیصل بالناس، فصلیٰ بالناس فی حیاة النبی ﷺ"

(بخاری ج ۲ ص ۹۳، مسلم ج ۱ ص ۱۷۹)

"جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری نے شدت اختیار کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا کہ وہ نرم دل آدمی ہیں آپ کی جگہ کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ

لوگوں کو نماز پڑھائیں ۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں نماز پڑھائی ۔''

ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ"

(ترمذی ج/۲ ص/۲۰۸)

''جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہوں، اس کی امامت سیادت ان کے سوا کسی اور کو زیب نہیں دیتی ۔''

سیدہ نساء العالمین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مرض وفات میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"ادعی لی ابابکر واخاک حتی اکتب کتاباً فانی اخاف ان یتمنی متمنٍ ویقول قائل انا اولی ، ویأبی اللہ والمؤمنون الا ابابکر"

(مسلم ج/۲ ص/۲۷۳، بخاری ج/۲ ص/۸۴۶، ۱۰۷۲ و مشکوٰۃ ص/۵۴۹)

''میری طرف سے اپنے والد ابوبکرؓ اور بھائی (عبدالرحمٰنؓ) کو بلوا بھیجو۔ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی (خلافت کی) آرزو نہ کرے اور کوئی نہ کہنے لگے کہ میں زیادہ حقدار ہوں (خیر اب رہنے دو) اللہ اور ایمان والے ابوبکرؓ کے علاوہ کسی سے راضی نہ ہوں گے ۔''

حضرت جبیر بن مطعمؓ نقل فرماتے ہیں:

"اتت امرأۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرھا ان ترجع الیہ قالت

ارأیت ان جئت ولم اجدك كانها تقول الموت قال ان لم تجدنی فأتی ابابکرٍ "

(بخاری ج/۱ص/۵۱٦ومسلم ج/۲ص/۲۷۳)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت کسی کام سے آئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پھر آنے کو فرمایا۔ وہ کہنے لگی کہ اگر میں آکر آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کا انتقال ہو چکا ہو۔تو پھر؟ آپ نے جواب دیا کہ اس صورت میں تم ابوبکرؓ کے پاس آنا۔''

یہ اور اس طرح کے بے شمار براہین اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں اجتماعیت کس قدر عزیز تھی اور آپ مسلم شیرازہ بندی کے خلاف امکانی خطرے کے معاملے میں کس قدر حساس تھے۔آپ جانتے تھے کہ اگر میرے بعد حصولِ خلافت کے لیے متعدد افراد سرگرم عمل ہو گئے تو اس سے آپ کی زندگی بھر کی محنت داؤ پر لگ جائے گی۔ اور یہ صورتِ حال آپ کے لیے بہر طور نا قابلِ برداشت تھی، اسی لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ اپنی زندگی میں ہی حضرت ابوبکرؓ کو خلافت کے لیے تحریراً نامزد فرما جائیں، چنانچہ اسی مقصد کے لیے آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بلوایا۔لیکن پھر آپ نے یہ ارادہ ملتوی فرما دیا،جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ یأبی اللہ والمؤمنون الا ابابکرٍ یعنی اس سلسلہ میں پریشان خاطر نہ ہوں، آپ کا ولی منشاء ہی پورا ہوگا، اس لیے اس آگاہی کے بعد کسی دستاویز وتحریر کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔

چنانچہ شارحِ مسلم علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"فی ھٰذا الحدیث دلالة ظاھرة بفضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه واخبار سنه ﷺ بما سیقع فی المستقبل بعد وفاته وان المسلمین یأبون عقد الخلافة لغیرہ"

(نووی شرح مسلم ج / ۲ ص / ۲۷۳)

''اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی واضح فضیلت موجود ہے۔ نیز یہ کہ آپ نے اپنی وفات کے بعد ہونے والے اس واقعہ کی بحکمِ الٰہی اطلاع دی کہ اہل اسلام حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور کی خلافت پر راضی ہی نہ ہوں گے۔''

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ محمد بن عثمان ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"فھٰذا من اخبارہ بالکوائن بعدہ ولھٰذا اعرض عن الکتابة لابی بکر لما علم ان اللہ یجمعھم علیه وان المؤمنین یبایعونه ولا یختلفون علیه... الخ"

(المنتقیٰ ص / ۵۶۲ ومنہاج السنۃ ج / ۴ ص / ۲۹۴)

''یہ (یأبی اللہ والمؤمنون الا ابابکرٍ) مستقبل سے متعلق پیشین گوئی تھی، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے لیے اس تحریر سے اعراض برتا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (بہ وحی الٰہی) معلوم ہوگیا تھا کہ اللہ ان کی خلافت پر سب کو مجتمع کرے گا۔ نیز مسلمان بھی حضرت ابوبکرؓ ہی سے بیعت کریں گے اور ان سے اختلاف نہ کریں گے۔''

دوسری وجہ تحریر سے رک جانے کی یہ تھی کہ آپ کی تحریر اور واضح نامزدگی کے بعد چونکہ اس بات کا امکان تھا کہ اسی ایک طریقہ کو لازمی و دائمی نہ سمجھ لیا جائے، تو گویا اس طرح خلافت کے معاملہ میں قرآن مجید کی دی ہوئی وسعت وعموم کے ایک ہی شکل میں شرعاً محدود ہو جانے کا خطرہ تھا، اس لیے آپ نے تحریراً نامزدگی کا ارادہ ترک فرماتے ہوئے سیدنا ابوبکرؓ کی افضلیت واہمیت زہن نشین کرانے اور وفات سے پیشتر عملاً اپنے مصلائے امامت پر فائز فرمانے پر اکتفا کیا، بالکل اسی طرح جیسے آپ نے صلاۃ تراویح بجماعت کو فرضیت ومشقت کے خطرے سے صرف تین دن پڑھانے پر اکتفا فرمایا تھا۔

چنانچہ وفات نبویؐ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی عملی فیصلے کو صحابۂ کرامؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے لیے استحقاقِ خلافت کی دلیل قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

> ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اس دنیا سے) اٹھا لیے گئے تو انصار نے (مہاجرین سے) کہا کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ عمرؓ ان کے پاس آئے اور کہا۔ اے گروہ انصار! کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا، بے شک (جانتے ہیں) عمرؓ نے کہا کہ پھر تم میں کون شخص ہے جس کا دل اس سے خوش ہو کہ وہ ابوبکرؓ کے آگے بڑھے؟ انہوں نے کہا اس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ابوبکرؓ کے آگے بڑھیں۔''
>
> (طبقات ابن سعد اردو ج/۲ ص/۳۲۷)

حضرت حسنؒ بیان فرماتے ہیں کہ:

''حضرت علیؓ نے کہا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہم نے امر (خلافت) میں نظر کی۔ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ نے ابوبکرؓ کو نماز میں آگے کر دیا۔ لہٰذا ہم اپنی دنیا کے لیے اس شخص سے راضی ہو گئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دین کے لیے راضی ہو گئے۔ ہم نے ابوبکرؓ کو آگے کر دیا (اور انہیں بالاتفاق خلیفہ بنا دیا)۔''

(طبقات ابن سعد ج/۳ ص/۳۱)

حضرت علیؓ بن عبد مناف فرماتے ہیں:

"قدمك رسول الله ﷺ فی امر دیننا فمن الذی یؤخرك فی دنیانا"

(لمعات بحوالہ حاشیہ ترمذی ج/۲ ص/۲۰۸)

''اے خلیفۂ رسول! آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے دینی معاملات میں مقدم فرمایا ہے۔ پھر وہ کون ہے جو ہماری دنیا کے معاملہ (خلافت) میں سے آپ کو پیچھے کر سکے؟''

دوم:

جانشینِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو انتقال سے پندرہ دن پہلے بخار کا عارضہ لاحق ہوا۔ جب ہر ممکن تدبیر کے باوجود طبیعت روبصحت نہ ہوئی، بلکہ ہر لحظہ مایوسانہ کیفیت قریب تر ہوتی چلی گئی تو آپ نے ضروری خیال فرمایا کہ وفات سے

قبل ہی کسی مناسب شخص کو اپنے بعد مسلمانوں کی خلافت وحکمرانی کے لیے متعین ونامزد کردیا جائے۔ تاکہ اس طرح ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ پر بھی عمل ہوسکے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود انہیں عملاً اپنا جانشین بنا کر اختیار فرمائی تھی۔ اور دوسری جانب خلافت تک رسائی حاصل کرنے والے متعدد امیدواروں کی طرف سے رسہ کشی اور مقابلہ آرائی کے نتیجہ میں اختلاف وانتشار کے امکان کا سد باب کیا جاسکے۔

بالآخر آپ رضی اللہ عنہ نے مُرادِ رسول ﷺ، جناب سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلافت کی نامزدگی کے لیے منتخب کیا، اور پھر سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولی عہدی وجانشینی کا حکمنامہ لکھوایا۔

مصری مؤرخ علامہ خُضری بک لکھتے ہیں:

"لما مرض ابوبکر واحس بدنو اجله رأى مصلحة المسلمين ان ينتخب خليفتهم قبل موته وذٰلك مايعبّر بولاية عهد وكانوا يحسّون دائماً بأن كثيرين يرون انفسهم اهلاً للخلافة وهم احق بها فاذا ترك الناس من غير عهد انتشر عقد نظامهم وكان يرىٰ عمر بن الخطاب اجدر الناس بالخلافة"

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج۱/ص۱۹۶)

''جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوسی ہوئی، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ اپنی وفات سے قبل ان کے لیے کسی خلیفہ کا تعین کردیا جائے۔

انتخابِ خلیفہ کے اسی طریقہ کو ولی عہدی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس وقت کتنے ہی اشخاص اپنے آپ کو خلافت کا حق دار خیال کرتے تھے، اس لیے اگر یہ ولی عہدی کا فیصلہ نہ کیا جاتا تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے میں حضرت عمرؓ خلافت جیسی اہم ذمہ داری کی صلاحیت اوروں سے زیادہ رکھتے تھے۔''

علامہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"کانت وفاة الصدیق رضی الله عنه فی یوم الاثنین عشیة، وقیل بعد المغرب ودفن من لیلة وذٰلك ثمان بقین من جمادی الاٰخرة سنة ثلاث عشرة بعد مرض خمسة عشر یوماً، وکان عمر بن الخطاب یصلّی عنه فیها بالمسلمین وفی اثناء هٰذاالمرض عهد بالامر من بعده الی عمر بن الخطاب وکان الذی کتب العهد عثمان بن عفان وقرء علی المسلمین فأقروا به وسعوا له واطاعوا"

(البدایہ والنہایہ ج/۷ ص/۱۸)

''۲۲ جمادی الثانی سن ۱۳ھ پیر کے دن رات بعد صلاۃ مغرب، پندرہ دن بیمار رہ کر سیدنا ابوبکرؓ کا انتقال ہوا۔ اور اسی رات تدفین ہوئی۔ ان کی بیماری کے ایام میں حضرت عمرؓ نائب کی حیثیت سے مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔ بیماری

کے دوران حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے بعد معاملاتِ خلافت کے لیے نامزد کیا۔ نامزدگی کی تحریر حضرت عثمانؓ نے لکھی اور انہیں نے حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی میں مسلمانوں کی سنائی، جسے لوگوں نے بلا پس وپیش تسلیم کرلیا۔''

شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

''ابوبکرؓ نے عثمانؓ کو تخلیے میں بلایا اور ان سے کہا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ عہد نامہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے نام لکھا ہے۔ امابعد، اس کے بعد ابوبکرؓ پر غشی طاری ہوگئی اور بے خبر ہوگئے اس لیے عثمانؓ نے یہ لکھ دیا، امابعد، میں تم پر عمر بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں، میں نے حتی المقدور تمہاری خیر خواہی میں کسر نہیں چھوڑی ہے، پھر ابوبکرؓ ہوش میں آگئے، آپ نے عثمانؓ سے کہا سناؤ تم نے کیا لکھا ہے۔ عثمانؓ نے پڑھ کر سنایا، ابوبکرؓ نے تکبیر پڑھی اور کہا میں سمجھتا ہوں کہ شاید تمہیں یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس غشی میں میری روح پرواز کرگئی تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہوجائے گا۔ عثمانؓ نے کہا ہاں، میں نے یہی خیال کیا تھا، ابوبکرؓ نے کہا اللہ تم کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نے اس مضمون کو وہیں تک برقرار رکھا۔''

(تاریخ طبری اردو ج/۲ ص/۲۷۴)

علامہ محمد سعدؒ فرماتے ہیں:

’’حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب ابوبکرؓ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا۔ ان کے پاس علیؓ اور طلحہؓ آئے اور دریافت کیا کہ آپ نے کس کو خلیفہ بنایا، انہوں نے کہا عمرؓ کو۔ دونوں نے کہا پھر آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے؟ انہوں نے کہا کہ تم دونوں مجھے اللہ سے ڈراتے ہو، اس لیے کہ میں تم دونوں سے زیادہ اللہ کو اور عمرؓ کو جانتا ہوں۔ میں اللہ سے کہوں گا کہ میں نے ان پر اس شخص کو خلیفہ بنایا جو ان سب سے بہتر تھا۔‘‘

(طبقات ابن سعد اردو ج/۳ ص/۲۷)

ان تاریخی روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سیدنا عمرؓ کو خلافت کے لیے خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی صوابدید اور ذمہ داری پر نامزد کیا تھا۔ نیز اس سلسلہ میں آپ نے چند اکابر صحابہؓ کو اپنے فیصلے سے مطلع بھی کر دیا تھا۔ تاہم باقی لوگوں سے قطعاً کوئی پیشگی استصواب نہیں کیا۔ البتہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ کی جانب سے اس نامزدگی کو کسی نے چیلنج نہیں کیا، بلکہ آپ کے اس بزرگانہ ومصلحانہ فیصلہ کی اصابت و درستگی پر پوری قوم نے اس درجہ اعتماد کا اظہار کیا کہ سربمہر لفافہ میں لکھے ہوئے خلیفہ کے نام سے آگاہ نہ ہوتے ہوئے بلا استثناء سب ہی نے بیعت کی۔ ولی عہدی ونامزدگی کے ذریعہ خلیفہ کی تقرری کے جواز اور دیگر انتخابی فارمولوں کے مقابلہ میں اس کے زیادہ پسندیدہ وافضل ہونے قرنِ اول کے اولین دور کا یہ اجماعی فیصلہ ایک ناقابلِ شکست دلیل ہے، جس سے تاریخ کے دیانت دارانہ مطالعہ کے دوران آنکھیں بند کر کے گذر جانا ناممکن ہے۔

اب رہا طبقات ابن سعد کی روایت میں نقل شدہ مکالمہ، تو اس کا تعلق نامزدگی کے جواز یا عدمِ جواز سے ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ سیدنا عمرؓ کی طبیعت میں پائی جانے والی سختی و درشتی سے متعلق ہے جو ان کی زندگی میں ایک نمایاں وصف کی رکھتی تھی اور جس کا ظہور ان کی جانب سے عہدِ نبوی و صدیقی میں ہوتا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے اطمینان بخش جواب کے بعد حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ یا کسی بھی شخص کی جانب سے کسی بے اطمینانی کا اظہار نہیں کیا گیا۔

علامہ جریر طبری لکھتے ہیں:

''ابوبکرؓ نے اپنے مرض الموت کے زمانے میں عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کر دیا تھا، کہتے ہیں کہ جب آپ نے اس کا ارادہ کیا تھا اس وقت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلایا اور ان سے کہا بتلاؤ عمرؓ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ عبدالرحمٰنؓ نے کہا اے خلیفۂ رسول! وہ اوروں کی بہ نسبت آپ کی رائے سے بھی افضل ہیں مگر ان کے مزاج میں ذرا شدت ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا یہ شدت اس وجہ سے تھی کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے تھے جب حکومت خود ان کو تفویض ہوگی تو اس قسم کی اکثر باتیں چھوڑ دیں گے۔ اے ابومحمد! میں نے ان کو بغور دیکھا ہے کہ جس وقت میں کسی شخص پر کسی معاملے میں غضبناک ہوتا تو عمرؓ مجھ کو اس پر راضی ہونے کا مشورہ دیتے تھے اور جب میں کسی پر نرم ہوتا تو وہ مجھ کو اس پر سختی کرنے کا مشورہ دیتے۔ اے ابومحمد! یہ باتیں جو میں نے تم سے کہیں ہیں تم ان کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔

عبدالرحمٰنؓ نے کہا بہت اچھا ہے۔''
(تاریخ طبری ج ۲ / ص ۲۷۳)

سوم:

عدل مجسّم، سیدنا عمر فاروق اعظمؓ، ابولؤلؤ فیروز نامی مشہور مجوسی سفاک کے قاتلانہ حملے سے نمازِ فجر پڑھاتے ہوئے زخمی ہوئے۔ زخم اتنے خطرناک تھے کہ شمعِ حیات مدھم پڑتی چلی گئی۔ اسی دوران آپ سے درخواست کی گئی کہ زندگی ہی میں کسی شخص کو اپنا جانشین مقرر کر جائیں، تاکہ مسلم اجتماعیت کو کسی قسم کا خطرہ درپیش نہ ہو۔ نیز اسلامی خلافت کا وہ تسلسل بھی برقرار رہ سکے جو سیدنا ابوبکرؓ نے آپ کو جانشین نامزد کر کے قائم رکھا تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس سلسلہ کی بعض روایات ملاحظہ فرماتے چلیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

"قيل لعمر الا تستخلف قال ان استخلف فقد استخلف من هو خير مني ابوبكر وان اترك فقد ترك من هو خير مني رسول الله ﷺ"

(بخاری ج ۲ / ص ۱۰۷۲، مسلم ج ۲ / ص ۱۲۰)

''حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ آپ بعد کے لیے خلیفہ مقرر کر دیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں خلیفہ نامزد کر دوں تو بے شک مجھ سے پہلے بہتر یعنی حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد (مجھے) نامزد کیا۔ اور اگر یونہی چھوڑ دوں تو مجھ سے بہتر یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی (صراحت کے ساتھ نامزدگی) چھوڑے

رکھا تھا۔‘‘

قدیم مؤرخ علامہ محمد بن سعدؒ اور مشہور شیعہ مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

’’تم یہ بات ذہن نشین کرلو کہ اگر کسی کو خلیفہ نامزد کروں تو مجھ سے بہتر شخصیت (ابوبکرؓ) نے بھی خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر میں کسی کو بھی نامزد نہ کروں تو مجھ سے بہتر شخصیت (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔‘‘

(طبقات ابن سعد اردو ج ۳ ص ۱۴۶)

ان ہی ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ:

’’جب حضرت عمر بن خطابؓ زخمی ہوئے تو آپؓ سے کہا گیا۔ اے امیرالمؤمنین! آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کردیں۔ آپ نے فرمایا، میں کسی کو خلیفہ مقرر کردوں اگر حضرت ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کرتا۔ اگر میرا پرودگار قیامت کے دن مجھ سے باز پُرس کرتا تو میں جواب دیتا میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابوعبیدہؓ اس امت کے امین ہیں۔ اگر ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں بھی خلیفہ مقرر کرسکتا تھا۔ اگر میرا رب ان کے بارے میں سوال کرتا تو میں عرض کرتا، میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سالم اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں۔‘‘

ایک شخص نے کہا، میں آپ کے سامنے عبداللہ بن عمرؓ کا نام پیش کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا تمہیں غارت کرے، خدا کی قسم اللہ کے سامنے کبھی میں نے اس قسم کی آرزو نہیں کی۔ تم پر افسوس ہے کہ میں کیسے اس شخص کو خلیفہ بنا سکتا ہوں جو اپنی بیوی کو (صحیح اور شرعی) طریقہ سے طلاق دینے سے عاجز رہا ہو۔''

(تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۸۸ وطبقات ابن سعد مختصراً ج ۳ ص ۱۴۶ وج ۲ ص ۴۰۱)

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ ولی عہدی ونامزدگی کے طریقہ کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن وافضل اور اجتماعی افادیت کے پیش نظر بہتر سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کو اس کا مشورہ دیا۔ نیز حضرت عمرؓ نے بھی ان کے مشورے کو خلافِ شرع یا نامناسب قرار دے کر رد نہیں فرمایا بلکہ اصولاً آپ نے ان کی تائید فرماتے ہوئے دو شخصوں کے نام لے کر کہا کہ اگر امین الامت ابوعبید بن جرّاحؓ اور حضرت سالمؓ زندہ ہوتے تو ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ نامزد کرتا۔ تاہم بعض ناگزیر اور پیچیدہ وجوہات کے پیش نظر آپ نے مناسب خیال فرمایا کہ نامزدگی کے لیے کسی ایک شخص کے تعیّن کی بجائے، ان سب حضرات کو نامزدگی کے دائرے میں شامل کر لیا جائے جو معاملاتِ خلافت میں دلچسپی لیتے رہے ہوں یا جن کے ساتھ ذہنی وابستگی رکھنے والے افراد کی طرف سے اپنے امیدوار کے حق میں انتخابی بھاگ دوڑ (کنویسنگ) کا امکان ہو۔ چنانچہ آپ نے چھ (۶) معزز صحابہؓ پر مشتمل انتخابی کونسل نامزد فرمائی، اور انہیں اس بات کا پابند قرار دیا کہ انتخابی کونسل کے لیے یہ نامزد ممبران ان کے

انتقال کے بعد تین کے اندر باہم مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیں:

"قال ما اجد احق بھذا الامر من ھؤلاء الرھط الذین توفی رسول اللہ ﷺ وھو عنھم راضٍ فسمّی علیّاً وعثمان والزبیر وطلحۃ وسعداً وعبدالرحمٰن بن عوف"

(بخاری ج/۱ص/۵۲۴)

''حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے نزدیک خلافت کے لیے سب سے زیادہ مستحق وہی لوگ ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال کے وقت تک خوش رہے، پھر اس سلسلہ میں آپ نے ان حضرات کے نام لیے، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔''

بالآخر حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ان کے نامزد ان ہی حضرات نے نہ صرف انتخابی کونسل کی کثرتِ رائے سے سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی، بلکہ از روئے احتیاط مدینہ منورہ میں موجود تمام لوگوں کو بھی استصوابِ رائے میں شریک کیا گیا۔

"فلما صلی الناس الصبح واجتمع اولئك الرھط عند المنبر فارسل الیٰ من کان حاضراً من المھاجرین والانصار وارسل الیٰ اُمراء الاجناد

۔۔۔فلما اجتمعوا تشھد عبدالرحمٰن ثم قال اما بعد یا علیؓ انی قد نظرت فی امر الناس فلم ار ھم یعدلون بعثمان فلا تجعلن علیٰ نفسك سبیلاً فقال ابایعك علی سنة الله ورسوله والخلیفتین من بعده فبایعه عبدالرحمٰن وبایعه الناس والمھاجرون والانصار واُمراء الاجناد والمسلمون"

(بخاری ج/۲ ص/۱۰۷۰)

''جب لوگ صلاۃ صبح ادا کر چکے تو انتخابی کمیٹی کے ممبران منبر کے قریب جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مہاجرین وانصار اور امرائے لشکر وغیرہ تمام لوگوں کو بلوایا، جب سب اکٹھا ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰن نے حمد وثنا کے بعد کہا، اے علی! میں نے لوگوں کی رائے پر غور کیا وہ عثمانؓ کے علاوہ کسی کی تائید نہیں کرتے، اس لیے تم کوئی مخالفانہ رویہ اختیار نہ کرنا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ میں تمہارے ہاتھ پر اللہ، اس کے رسول اور ان کے بعد دونوں خلفاء کے طریقے کی بیعت کرتا ہوں۔ پس مہاجرین وانصار، امرائے لشکر اور تمام مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔''

خلاصہ یہ کہ چھ افراد پر مشتمل انتخابی پینل کی نامزدگی اور پھر اسی کے نتیجہ میں سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کا خلافت کے لیے چناؤ، ایک طرح کی ولی عہدی اور

جانشینی ہی ہے۔ البتہ جانشینی کے اس طریقہ میں آپ نے قدرے توسیع فرمائی جس کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے بعد خود آپ کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ بایں طور کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کا نام لے کر خلیفہ مقرر نہیں فرمایا، بلکہ عملاً انہیں نائب مقرر کرنے پر اکتفا کیا، جسے ہم عصر صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ کے حق میں عملی فیصلہ قرار دے کر انہیں جانشینِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیم کرلیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے تو صاف طور پر آپ کو نامزد خلفیہ کی حیثیت سے اپنی زندگی ہی میں متعین فرما دیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور بعض حضرات کی جانب سے خلافت کے لیے غیر معمولی دلچسپی وسرگرمی دیکھ کر ضروری سمجھا کہ ان حالات میں کسی متعین فرد کا نام لیے بغیر محض اشارات اور عملی ترجیحات کو کافی سمجھ لینا، یا کسی ایک شخص کو نام لے کر خلیفہ مقرر کر جانا' ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے کسی طبقے کو برضاء ورغبت تسلیم نہ ہو۔ اس لیے کہ اب نہ کسی شخص کو حضرت ابوبکرؓ جیسی بلا استثناء افضلیت حاصل ہے جس سے کسی کو انکار وانحراف کی مجال نہ ہو۔ اور نہ ہی حضرت عمرؓ جیسی کوئی عبقری شخصیت موجود ہے جس کے رعب وجلال کے آگے کسی قسم کے نامناسب خیال واقدام کو راہ پانے اور پنپنے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر آپ نے ولی عہدی وجانشینی کے نبوی وصدیقی تسلسل کو باقی رکھتے ہوئے، اس میں اتنا اضافہ ضروری سمجھا کہ نامزدگی کو کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص ومحدود کرنے کی بجائے ان تمام حضرات کو نامزد کونسل میں شریک کرلیا تاکہ باہم صلاح ومشورے سے وہ جس کو بھی مقرر کریں گے اسے رائے عامہ کی مکمل حمایت وتائید حاصل رہے گی۔ صحیح مسلم وبخاری کی اوپر نقل کردہ روایت میں آپ نے اسی

جانب اشارہ فرمایا ہے۔

چہارم:

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو عملاً اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا۔ اور حضرت عمرؓ نے چھ افراد کی انتخابی کونسل نامزد کی، جس کے نتیجے میں ان کے نامزد ''رکن کونسل'' حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ ان پیش رَو تین نمونوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت میں آکر تک حالات معمول کے مطابق پُرسکون رہتے تو آپ بھی جانشینی ونامزدگی کے اسی پسندیدہ ومختار طریقہ کو روبعمل لاتے جو اب سے پہلے حضور ﷺ اور حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ نے پسند واختیار فرمایا تھا۔

لیکن افسوس کہ آپ کی خلافت کے آخری دنوں میں سبائی افتراق انگیزی اور بعض قابلِ احترام بزرگوں کا سہارا لے کر عجمی منافقین کی اسلام دشمنی اور انتقامی شورشوں نے نہ صرف اسلامی ریاست کے طول وعرض بلکہ مسلمانوں کے روحانی وسیاسی مرکز کا امن وسکون غارت کر کے رکھ دیا۔ اور ایسے پُرفتن حالات پیدا کر دیے کہ سیدنا عثمان ذوالنورینؓ اسلامی خلافت کے مستقبل سے متعلق قبل از وقت کوئی بندوبست نہ کر سکے۔

سیدنا حضرت مروان بن حکمؓ فرماتے ہیں:

''اصاب عثمان بن عفان رعاف شدید سنة الرعاف حتّٰی حبسه عن الحج واوصیٰ فدخل علیه رجل من قریش فقال استخلف فقال وقالوا قال نعم قال

ومن فسکت، فدخل علیه رجل اٰخر احسبه الحارث فقال استخلف فقال عثمان وقالوا فقال نعم، قال ومن هو قال فسکت، قال فلعلهم قالوا الزبیر قال نعم قال اما والذی نفسی بیده انه لخیرهم ما علمت وان کان لاحبهم الیٰ رسول الله ﷺ"

(بخاری ج ۲ ص ۵۲۷)

"جس سال نکسیر کی وبا پھیلی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی نکسیر کا سخت حملہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس سال آپ حج کو نہ جا سکے اور وصیت بھی کر دی تھی۔ اسی دوران ایک قریشی شخص نے آ کر عرض کیا، کہ آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ آپ نے کہا کہ کیا سب لوگ یہی کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں، آپ نے پوچھا کس کو؟ اس پر وہ شخص خاموش ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور صاحب تشریف لائے (غالباً ان کا نام حارث رضی اللہ عنہ تھا) انہوں نے بھی یہی عرض کیا کہ آپ کسی کو جانشین بنا دیں۔ آپ نے دریافت کیا سب کا یہی کہنا ہے؟ عرض کیا جی ہاں، فرمایا کس کو؟ تو وہ بھی چپ ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا شاید لوگ اس سلسلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا نام لے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں، اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میری دانست میں وہ ان سب سے بہترین شخص ہیں اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت

ہی محبوب تھے۔‘‘

شارح صحیح بخاری، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ روایت نقل فرماتے ہیں:

"ان عثمان کتب العھد بعدہ لعبدالرحمٰن بن عوف واستکتم ذٰلک حمران کاتبہ فوشیٰ ذٰلک حمران الیٰ عبدالرحمٰن فعاتب عثمان علی ذٰلک فغضب عثمان علیٰ حمران فنفاہ من المدینۃ الی البصرۃ ومات عبدالرحمٰن بعد ستۃ اشھر"

(فتح الباری بحوالہ حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۲۷)

’’سیدنا عثمانؓ نے اپنے بعد عبدالرحمٰن بن عوف کی خلافت کے لیے وصیت نامہ لکھوایا اور اپنے کاتب حمران کو اسے ظاہر نہ کرنے کی تاکید فرمائی۔ حمران نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اس سے باخبر کر دیا، جس پر حضرت عثمانؓ ناراض ہوئے، اور غصہ میں اسے مدینہ سے بصرہ کی طرف شہر بدر کر دیا۔ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا انتقال ہو گیا۔‘‘

ان روایات سے مندرجہ ذیل تین باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ ایک خلیفہ کا اپنی حیات ہی میں کسی مناسب شخص کو اپنے بعد کے لیے جانشین و نامزد کرنا، صرف جائز نہیں بلکہ اس زمانہ خیر القرون میں مستحسن، مقبول اور پسندیدہ طریقہ بھی تھا۔ جب ہی تو ہم عصر امت نے حضرت عثمانؓ کو جانشین نامزد کرنے کا مشورہ دیا۔ دوم یہ کہ نکسیر کے شدید حملے کے دوران حضرت عثمانؓ جیسے مقدس خلیفہ راشد نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی نامزدگی سے متعلق وصیت نامہ لکھوا کر جانشینی کے اسی

پسندیدہ ومختار طریقہ کو قائم رکھنا چاہا تھا جو نبوی، صدیقی اور فاروقی عملی تسلسل کی ایک کڑی تھی۔ لیکن افسوس اس واقعہ کے چھ ماہ بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وفات ہوگئی، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے نامزد خلیفہ کی حیثیت سے خلافت کی ذمہ داریاں نہ سنبھالتے۔ سوم یہ کہ سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں لوگوں کا عموماً یہ خیال تھا کہ آپ کے بعد سیدنا زبیر بن العوامؓ خلافت جیسی اہم ذمہ داری کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ اسی لیے متعدد حضرات نے رائے عامہ کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کو ان کے احساسات سے مطلع کیا۔ اور سیدنا عثمانؓ نے اس پر کسی نکیر کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ حضرت زبیرؓ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے ان کے استحقاق کی توثیق فرمائی۔ ان حالات میں بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر حالات معمول پر رہتے اور شورشی تحریک کی سنگینی مسلم قوم کی اجتماعیت کے بارے میں پُرسکون سوچ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتی تو یقیناً سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وفات کے بعد، سیدنا عثمانؓ حسبِ سابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور برادر نسبتی سیدنا زبیر بن عوامؓ کو آئندہ کے لیے خلیفہ نامزد فرماتے۔ لیکن ؎

پیش آتا ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے

پنجم:

عجمی منافقین اور ان کی انگیخت پر پر کوفہ، بصرہ اور مصر کے شرپسند بلوائیوں نے خلیفہ سوم، داماد رسول سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کو شہید کر کے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا اور پھر زبردستی لوگوں کو بیعتِ خلافت کے لیے مجبور کیا۔ اعلانِ خلافت کی یہ صورت ناپسندیدہ

شرانگیزی کے نتیجہ میں ہنگامی طور پر پیش آئی اس لیے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر لوگوں کو اپنی مرضی سے خلیفہ منتخب کرنے کا موقعہ ملتا تو وہ کس شخص کو پسند کرتے؟ البتہ صحیح بخاری کے حوالے سے اوپر درج کردہ روایت کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت کے لیے لوگوں کی نگاہیں عموماً سیدنا زبیرؓ کی جانب تھیں۔ بہرحال یہ جو کچھ بھی ہوا اسے ضابطے کی کارروائی قرار نہیں دیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ اسے ہم عصر امت میں آخر تک قبولِ عام حاصل نہ ہوسکا۔ یہاں تک کہ جب حضرت علیؓ، عبدالرحمٰن بن ملجم کے قاتلانہ حملے سے شدید زخمی ہوئے تو آپ نے اپنے صاحبزادے سیدنا حسنؓ کو اپنی جگہ مصلائے امامت پر متعین کیا۔ نیز جب لوگوں نے حضرت حسنؓ کو ان کے بعد خلیفہ بنا لینے کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ:

''نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں تم لوگ زیادہ مناسب سمجھتے ہو۔''

(تاریخ طبری ج/۴ ص/۵۰۲)

اس سے پتہ چلا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک قبل از وقت جانشین کے تقرر میں کوئی قباحت نہ تھی، جب ہی آپ نے کھلے لفظوں اس کی تردید نہیں فرمائی۔ البتہ انہیں اپنی پارٹی پر مسلسل تجربات کی روشنی میں کسی بھلائی کی توقع نہ تھی۔ انہیں مکمل طور پر یقین ہوچکا تھا کہ جس قوم کی بنیاد پر حاصل شدہ ''برائے نام'' خلافت کے دوران وہ ان کی اطاعت واعتماد حاصل کرسکنے میں کامیاب نہ ہوسکے، ان پر آئندہ کے لیے بھی قطعاً بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، اس لیے آپ نے واضح طریق پر حضرت حسنؓ کو خلافت کے لیے نامزد کرنے سے گریز کرتے ہوئے صرف صلاۃ پنجگانہ کی

امامت پر مامور فرمانے پر اکتفا کیا۔ چونکہ اس وقت خلیفہ کی طرف سے کسی شخص کا ''بلا تحدید امامت'' پر مقرر ہونا، اس کی جانشینی کے استحقاق کی علامت سمجھی جاتی تھی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اگر سیدنا علیؓ کو اپنی پارٹی اور حالات کی سازگاری پر اطمینان ہوتا تو یقیناً آپ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پیدا ہونے والے خلاء کے بعد جانشینی کے سابقہ تسلسل ہی کو برقرار رکھتے، جیسا کہ بعض شیعہ محققین کا کہنا ہے کہ حضرت علیؓ نے واضح ہدایت کے ذریعے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو اہل کوفہ پر نامزد خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔

چنانچہ شیعہ مجتہد و محقق ملا باقر مجلسی ایرانی لکھتے ہیں کہ:

''وقتِ وصیت جناب امیرؑ نے تمام فرزندان واہل بیت اور اپنے مردان شیعہ کو جمع فرمایا۔ اور امام حسنؑ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔''

(جلاء العیون ج/۱ ص/۲۵۹، ۳۳۳)

الحاصل:

سیدنا علیؓ نے جانشینی وخلافت کے لیے اپنے بیٹے سیدنا حسنؓ کا تقرر کر کے نامزدگی کے سلسلہ کی اس شق کو واضح کر دیا کہ جس طرح مسلمان خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بعد کے لیے کسی بھی مناسب و باصلاحیت شخص کو خلیفہ نامزد کر دے، بالکل اسی طرح اس کو یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو خلیفہ نامزد کر دے۔ یاد رہے کہ حضرت علیؓ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ باپ کے بعد بیٹے کی نامزدگی و تقرر کو اختیار فرمایا۔

ششم:

حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد اہل کوفہ نے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر

خلافت کی بیعت کر لی۔لیکن آپ والد ماجد کی آزمائشی خلافت کے آغاز سے لے کر خانہ جنگیوں سے بھرے ساڑھے چار سالہ دور کے اختتام تک رُونما ہونے والے حادثات اوران کے اسباب وعواقب پرغور وفکر سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ والدصاحب کی حکومت میں انتظامی وسیاسی معاملات پرعجمی منافقوں اور سبائیوں کے تسلط سے پیدا شدہ بگڑے ہوئے حالات میں کوفہ کی محدود حکمرانی سے عہدہ برآ ہونا بھی دشوار ہے بالخصوص جب کہ اپنے والد سے ورثہ میں ملنے والی عسکری قوت انتشار و پراگندگی کا شکار ہے۔علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"ولما رای الحسن بن علی تفرق جیشه علیه مقتهم و کتب عند ذٰلك الیٰ معاویة بن ابی سفیان۔۔الخ"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۴)

''جب حضرت حسنؓ نے محسوس کیا کہ ان کا لشکر ان سے علیٰحدگی اور خفگی پر آمادہ ہے، اسی وقت آپ نے حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو صلح کے لیے لکھا۔''

ان حالات میں سیدنا حسنؓ نے اپنی طبیعت میں پائی جانے والی صلح واتحاد کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ضروری سمجھا کہ مزید تاخیر کیے بغیر عالمِ اسلام کے عظیم مدبر ومنتظم سیدنا معاویہؓ کو پوری اسلامی ریاست کا متفق علیہ خلیفہ ہو جانا چاہیے۔تاکہ ان کی خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ بگڑے ہوئے حالات کو مزید خراب وابتر ہونے سے بچایا جاسکے۔بالآخر سیدنا حسنؓ نے جلد ہی اپنے زیرِ فرمان علاقوں کی نامزد حکمرانی سے دستبردار ہو کر کاتبِ قرآن سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی۔دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ سیدنا حسنؓ نے اپنے والد

حضرت علیؓ سے ملنے والی امانت سیدنا معاویہؓ کو اس کا اہل اور امین سمجھ کر ان کے حوالہ کر کے جانشینی و نامزدگی کے تسلسل کو باقی رکھا۔

ہفتم :

سیدنا حسنؓ کی طرف سے اس سپردگی کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت پر لاکھوں مربع میل میں پھیلی ہوئی مسلم قوم کا وہ عظیم اجماع منعقد ہو گیا جس کی نظیر پیش کرنے سے اقوامِ عالم کی تاریخ عاجز ہے، برسوں کی خانہ جنگی و اختلاف کے بعد اس اتفاق و اتحاد کے سال کو تاریخ میں ''عام الجماعت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی اتحاد و اتفاق کا سال۔ اس طرح سیدنا معاویہؓ ہی وہ مفرد شخصیت کے مالک ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلم اجتماعیت کی ڈگمگاتی اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو ایک بار پھر بسوئے منزل جادہ پیما کیا اور ایک دو سال نہیں، بیس برس سے متجاوز عرصہ پر حاوی عہد میں بھرپور خدمت کا موقعہ عنایت فرمایا۔

بالآخر جب سیدنا معاویہؓ بڑھاپے کی عمر کو پہنچے تو آپ نے صحابیٔ رسول حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی تحریک اور اسلامی ریاست سے مکمل استصوابِ رائے کے بعد اپنے صاحبزادے حضرت یزیدؒ کو اپنے بعد خلافت کے لیے ولی عہد مقرر کر کے جانشینی کے اسی تسلسل کو اختیار فرمایا جو حضرت علیؓ کے ہنگامی تقرر کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر اب تک معمول چلا آ رہا تھا۔

حاصل یہ کہ اگرچہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو خلیفہ کے چناؤ سے متعلق کسی خاص طریقہ کا پابند نہیں کیا تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے اختیار کردہ طرزِ عمل سے ثابت ہوا کہ انتخابِ خلیفہ کے لیے جانشینی و نامزدگی والا طریقہ ہی پسندیدہ ہے۔ اور نئے سربراہ کے چناؤ کے سلسلہ میں رونما

ہونے والے ہر ممکن انتشار وفساد سے بچنے کے لیے یہی طریقہ زیادہ مفید ہے۔ جناب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کر کے نہ صرف یہ کہ اس پسندیدہ تسلسل ہی کو باقی رکھ کر " **والذين اتبعوهم باحسان** "کی عملی تعبیر پیش فرمائی بلکہ مسلمان قوم کو ایک تباہ کن انتقام سے محفوظ کر دیا جسے عملی جامہ پہنانے کے لیے عجمی منافقین ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کے منتظر تھے کہ کب ان کی آنکھیں بند ہوں اور ہم کارروائی شروع کریں۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کتاب ''کتاب فضائل'' سے اسی اہم اور مقدس فضیلت کو صرف نظر انداز ہی نہیں کر دیا جاتا بلکہ برخود غلط قسم کے لوگ جائز و ناجائز کے خود ساختہ معیار پر جانچ کر اسے ایک سیاہ کرنامہ بنا کر پیش کرتے ہوئے بھی شرم و غیرت محسوس نہیں کرتے۔ سیدنا یزید رحمہ اللہ کی ولی عہدی کے پس منظر، اسباب و محرکات اور اس سلسلہ کی تاریخی تفصیلات اپنے مقام پر گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکی ہیں اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

علمائے محققین کا فیصلہ:

اگر چہ طریقِ انتخاب میں ولی عہدی کا جواز اور پسندیدگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے ثابت ہو جانے ۔۔ نیز اس تاکیدی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

"**فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ**"

(مستدرک ج ۲ ص ۹۶)

''تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو معمول بناؤ اور اسے مضبوطی سے اختیار کرو۔''

کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ لیکن مزید اطمینان اور اتمامِ حجت کی غرض سے بعض علمائے محققین کے بیانات بھی پیش ہیں۔

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں:

''سب سے اول وافضل وصحیح تر یہ ہے کہ مرنے والا اپنے بعد جس کو امام منتخب کرے اسے ولی عہد بنا دے۔ خواہ یہ فعل اپنے زمانۂ صحت میں کرے یا زمانۂ مرض میں، یا موت کے وقت۔ کیوں کہ ان میں سے کسی صورت کے ممنوع ہونے پر نہ تو کوئی نص ہے نہ اجماع۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کے ساتھ کیا اور جیسا کہ ابوبکرؓ نے عمرؓ کے ساتھ کیا۔ اور جیسا کہ سلیمانؒ بن عبدالملکؒ نے عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ کیا۔ ہم اس وجہ کو پسند کرتے ہیں اور اس کے ماسوا کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے اس میں امامت کا اتصال اور امرِ اسلام واہلِ اسلام کا انتظام ہے۔ (یعنی ان کے امور کی لڑی ٹوٹنے نہیں پاتی، سلسلہ ملا رہتا ہے) اُس اختلاف اور شوروشغب کا ازالہ بھی ہے جس کا اندیشہ دوسری صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کو بغیر کسی امری کے چھوڑ دیا جائے، اس میں پراگندگی وسرکشی وطمع کا انسداد بھی ہے۔''

(الملل والنحل مطبوعہ حیدرآباد دکن ج/۳ ص/۱۶۲۔ ۱۶۳)

علامہ ابوالحسن الماوردیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''کیا امامت سابق امام کے کسی شخص کو امام مقرر کرنے سے

انعقاد پذیر ہوتی ہے؟ اس کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ان حسب ذیل دو وجہوں کی بنا پر تمام مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے۔اور وہ اسے ناجائز نہیں سمجھتے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کردیا۔ اور مجرد حضرت ابوبکرؓ کے فرمان کی بنا پر تمام مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی امامت کو تسلیم کرلیا۔دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ نے امامت کو اہل شوریٰ کے سپرد کردیا اور اہل شوریٰ نے جو اس وقت کے تمام مسلمانوں میں سربرآوردہ تھے اس تجویز کی صحت کی بنا پر اس میں شرکت قبول کرلی ۔۔الخ

(الاحکام السطانیہ ص/ ۱۹، ۲۰)

علامہ عبدالرحمٰن بن خلدونؒ ارقام فرماتے ہیں:

''شریعت میں اجماعِ امت سے اس عمل (یعنی ولی عہدی) کا جواز ثابت ہے۔کیوں کہ حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین و ولی عہد مقرر فرمایا، جس کو تمام صحابہ نے جائز رکھا اور حضرت عمرؓ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔اسی طرح حضرت عمرؓ نے قبل وفات ولی عہدی کے مسئلے کو عشرہ مبشرہ میں سے چھ بقیہ صحابہ کی صوابدید پر چھوڑا اور ان کو اختیار دیا کہ وہ مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام چھانٹ لیں۔۔۔

۔۔۔اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اس میں وہ

صحابہؓ موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے۔ کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی و جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی سے جانتے تھے اور یہ بات معلوم ہو ہی گئی کہ اجماع شرعی مسائل کے لیے حجت مانا گیا ہے۔ اب اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور ومعاملات میں قابلِ اعتماد مانا گیا تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہے اس میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر اتہام نہیں لگانا چاہیے۔ ۔۔خصوصاً جب کہ کسی مصلحت کا تقاضا بھی اس کے ساتھ شامل ہو یا کسی فتنہ وفساد کسے بچاؤ مدنظر ہو تو ایسے وقت پر بدظنی کو سرے سے گنجائش نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزیدؒ کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنی امیہ کے ارباب حل وعقد کا اتفاق ان کے لیے حجت تھا اور اسی اتحاد واتفاق کی مصلحت کو سامنے رکھ کر انہوں نے اور لوگوں کو چھوڑ کر یزیدؒ کو اپنی جانشینی کے لیے چھانٹا۔ یہ حقیقت ہے کہ بنی امیہ اس وقت یزیدؒ کے سوا اور کسی کی ولی عہدی کے لیے رضامند ہونے والے نہیں تھے اور وہ قریش اور دیگر تمام

مسلمانوں کی عصبیت (یعنی قوت وحمایت) اپنی پشت پناہی میں رکھتے تھے۔ خود بھی باثر تھے اور باشوکت لہٰذا انہیں حالات کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر یزیدؒ کا انتخاب کیا اور فاضل و بہتر کو نظر انداز کر کے مفضول و کمتر کو مسندِ خلافت پر لائے صرف اس لالچ سے کہ لوگوں کا اتحاد و اتفاق اور ان کی رائے میں یکجہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ جس کے بقا کو شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ہی اہمیت دی ہے۔ ورنہ اس کے علاوہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں اور کیا کہا جا سکتا ہے کیوں کہ ان کی مسلمہ عدالت وصحبت نبوی کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارے میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے۔ مزید برآں اکابر صحابہ کی موجودگی اور ان کا اس بارے میں سکوت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ ہر بدظنی سے پاک ہیں اور ان کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔ نہ تو صحابہ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے، نہ حضرت معاویہؓ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت وشانِ مملکت کی خاطر حق کو اختیار کرنے سے باز رہتے ان بزرگوں کی عدالت ایسی غلط کاریوں سے بہت بلند و بالاتر ہے۔''

(مقدمہ ابن خلدونؒ اردو مطبوعہ کراچی ص/۲۴۰ و ۲۴۱ و مقدمہ ابن خلدون عربی مطبوعہ مصر ص/۲۱۰ و ۲۱۱)

علمائے محققین کے ان بیانات سے ثابت ہوا کہ سنت نبوی وسنت خلفائے

راشدین کے پیش نظر ولی عہدی کے طریقہ پر سربراہ کا تقرر نہ صرف جائز بلکہ افضل وبہتر بھی یہی ہے کہ خلیفہ اپنی زندگی میں کسی مناسب ولائق شخص کو جانشینی کے لیے نامزد کرجائے۔ تاکہ اس سلسلہ میں قوم کسی انتشار میں مبتلا نہ ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اسی طور پر مقرر ہوئے تو امت میں مکمل اتحاد واتفاق قائم رہا۔ اس کے برخلاف جب حضرت عثمان ذوالنورینؓ مجبورکن حالات کی وجہ سے کسی کو نامزد نہ کرپائے تو یہی انتخاب خلیفہ کا معاملہ تھا جس نے مسلمان قوم کو عہد علوی کی ہولناک خانہ جنگیوں سے دوچار کردیا۔ بایں حالات امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ارباب حل وعقد ہی نہیں، پوری ہم عصر امت سے استصواب کے بعد اپنے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر کے نہایت صائب فیصلہ فرمایا۔ اس وقت کے سیاسی پس منظر اور پرپیچ ونازک صورت حال پر گہری بصیرت سے کام لے کر اس ناگزیر فیصلے کی اہمیت وضرورت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ ایک طرف اسلام دشمن عناصر بعض مقدس بزرگوں کو آڑ بنا کر اپنا انتقامی پروگرام بنا چکے تھے اور اس کے اثرات اب بھی باقی تھے جنہیں نظر انداز کرنا خانہ جنگی کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔۔۔ دوسری جانب ایک سرے سے دوسرے سرے تک قوم کی مکمل حمایت خاندانِ بنوامیہ کو حاصل تھی۔ جس سے آنکھیں بند کر کے کیا جانے والا فیصلہ قوم کی اتنی بڑی حمایت سے محروم رہتا، جس کے بغیر اجتماعی معاملات کو قطعاً استحکام حاصل نہیں ہوسکتا۔ ان حالات میں سیدنا معاویہؓ نے اسلام اور مسلمانوں کو خیر خواہی کو خاطر وہی فیصلہ کیا جس کی آپ جیسے مدبر اور منتظم سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی۔

علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

''اگر حضرت معاویہؓ عصبیت (یعنی قومی حمایت وتائید) کے تقاضے کے خلاف یزیدؒ کے علاوہ کسی اور کو مسندِ امامت پر لاتے تو اس کی امامت قبول کون کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو جاتی اور قوم اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی ظاہر ہے۔''

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱)

باپ کے بعد بیٹا:

بعض لوگ سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کو بنیاد بنا کر سیدنا معاویہؓ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا کر ایک ناجائز فعل کا ارتکاب ہی نہیں کیا بلکہ اسلامی خلافت کو موروثی بادشاہت میں بدل ڈالا۔ حالانکہ خلیفہ راشد سیدنا عمرؓ سے جب ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہؓ کی جانشینی کے متعلق کہا گیا تو انہوں نے اسے سختی کے ساتھ رد فرما دیا تھا۔

ولایت عہد اور انتخاب خلیفہ کے اسلامی تصور سے متعلق پیش کردہ تفصیلی گذارشات کے بعد اگرچہ اس اعتراض کی کوئی علمی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ تاہم گذشتہ تفصیلات کی جانب مراجعت کی درخواست کے ساتھ مزید عرض ہے کہ یہ اعتراض بوجوہ غلط اور قطعاً بے بنیاد ہے۔

اولاً: کسی معاملہ کو ناجائز اور خلاف شرع قرار دینے کے لیے قرآن وسنت کی واضح ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کے ناجائز ہونے پر قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ یا حدیث صحیح بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن مجید سے تو باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت داوٗدؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کی حکومت کو

کسی قسم کی تنقید کے بغیر سراہا گیا ہے۔ اگر باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا ناجائز اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا، تو پھر کیسے ممکن تھا کہ حضرت سلیمانؑ اپنے والد ماجد کے جانشین ہوں۔ یاد رہے کہ حضرت داوؑدؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ یکے بعد دیگرے ہونے والے حکمران ہی نہیں بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اس زمرہ میں بھی شامل ہیں جن کے اعمال و افعال کو پسندیدہ دین کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ والد کے بعد جانشینی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی حکمرانی و خلافت کو قرآن مجید میں بلا نکیر نقل فرما کر اللہ تعالیٰ نے سند جواز ہی عنایت نہیں فرمائی، بلکہ سورت نور میں "**كما استخلف الذين من قبلهم**" ارشاد فرماتے ہوئے اسی طریق انتخاب کو مسلمانوں کے لیے پسند بھی فرمایا ہے۔

ثانیا: اگر باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی واقعی قابلِ اعتراض ہے تو مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے پہلی جانشینی کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی جس کے ذریعہ حضرت علیؓ کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسنؓ کوفہ کے حکمران مقرر ہوئے تھے۔ اس معاملہ میں شرعاً گنجائش نہ ہوتی تو حضرت علیؓ اسے ہرگز برداشت واختیار نہ فرماتے۔ حیرت ہے کہ جو چیز سیدنا علیؓ کے حق میں قابل اعتراض نہ ہو، وہ سیدنا معاویہؓ کے لیے کیوں کر موجبِ الزام قرار دی جاسکتی ہے۔۔!

ثالثاً: اپنے لیے کسی سربراہ وخلیفہ کا تقرر ہم عصر قوم کی ایک ناگزیر ضرورت ہے جس کا بعد والوں سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا، وہ اپنے حالات وضروریات کے مطابق جس طرح چاہیں اور جسے چاہیں اپنا حاکم مقرر کریں، بایں ہمہ کس قدر عجیب بات ہے کہ جس طریقِ انتخاب کو پوری قوم کی تائید وحمایت اور استصواب حاصل ہے اور جس کی صحت و پسند پر ہم عصر صحابہؓ وتابعین سے ہی نے بالاتفاق مہر تصدیق ثبت کی۔ وہ بعد والوں کے لیے کیوں بے چینی کا

باعث ہے۔ جب اس وقت کی مسلمان قوم نے اپنی اجتماعیت کے لیے باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی میں کوئی شرعی قباحت محسوس نہ کی اور سیدنا یزیدؒ بن معاویہؓ کی ولی عہدی وخلافت کو بدل وجان قبول کیا تو اب صدیوں بعد اس اجماعی فیصلے میں کیڑے ڈالنے اور عیب چینی کرنے کا کسی کو کیا حق پہنچتا ہے؟ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس غیر فطری دھینگا مشتی کے ذریعہ روافض حضرات خلفائے راشدین یعنی سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی ثابت شدہ خلافت راشدہ کو چیلنج کرکے **لیغیظ بھم الکفار** کا ایمان بخش نظارہ پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ حالانکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کی کسی بھی ثابت شدہ تاریخی واقعہ کو علمی موشگافیوں او رمنطقی نکتہ آفرینیوں سے نہ تو رد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی واقعاتی وتکوینی فیصلے کا استخفاف وانکار ممکن ہے۔

یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

رابعاً: رہا سیدنا عمرؓ کا اپنے صاحبزادے کی جانشنی کے مشورے کو سختی سے مسترد کردینا تو وہ اس لیے ہرگز نہ تھا کہ آپ بیٹے کی جانشینی کو ناجائز خیال کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ صاف طور پر اعلان فرمادیتے کہ باپ کے باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی شرعاً درست نہیں، اس لیے میں اپنے بیٹے کو نامزد کرکے ناجائز فعل کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔ حالانکہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا، اس لیے حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد وعمل کی بنیادی وجہ وہی ہے جس کی نشاندہی آپ نے خود ہی فرمادی تھی کہ:

''میں کیسے اس شخص کو خلیفہ بنا سکتا ہوں جو اپنی بیوی کو صحیح طریقہ سے طلاق دینے سے عاجز رہا ہو۔''

(تاریخ طبری ج ر ۳ ص ر ۳۸۸ وطبقات ابن سعد ج ر ۳ ص ر ۱۴۶)

خلافت

- وفات سیدنا معاویہؓ
- بیعتِ خلافت

وفات سیدنا معاویہؓ

موت ایک ایسی اٹل اور یقینی حقیقت ہے، جس سے کائنات کا کوئی فرد مستثنیٰ نہیں۔ دنیا میں بڑے سے بڑے انسان پیدا ہوئے، پلے، بڑھے اور طبعی عمر گذار کر راہ گذارِ آخرت ہوئے۔ حضرت انبیائے کرام علیہم السلام اللہ کے مقرر کردہ ضابطہ **کل نفس ذائقة الموت** سے مستثنیٰ قرار نہ دیے گئے تو پھر کون ہوسکتا ہے جسے اس دنیائے فانی میں بقاء و دوام کا حامل کہا جا سکتا ہو۔ چنانچہ امیر المؤمنین، خلیفہ راشد، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما عمر کی اٹھتر (۷۸) منزلیں طے کر چکے تھے کہ بیمار ہوئے، بحالیٔ صحت کے لیے ہر ممکن تدابیر اختیار کی گئیں لیکن افاقے کی صورت نہ بن سکی۔

بالآخر چند روزہ مختصر علالت کے بعد ۲۲ ر رجب سن ۶۰ ھ شب جمعرات آپ کا انتقال ہوگیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

علامہ حافظ ابن کثیرؒ ارقام فرماتے ہیں:

"انه توفی بدمشق... لیلة الخمیس لثمانٍ بقین من رجب سنة ستین"

(البدایہ والنہایہ ج ر ۸ ص ر ۱۴۳)

''ماہ رجب سن ٦٠ ھ کی آٹھ راتیں باقی تھیں کہ سیدنا معاویہؓ
کا دمشق میں انتقال ہوگیا۔''

شعہ مؤرخ علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

''رجب سن ٦٠ ھ کی بائیسویں کو پنج شنبہ کے دن دمشق میں
حضرت معاویہؓ کی وفات ہوئی۔''

(تاریخ طبری اردو ج/۵ ص/۱٦۳)

ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے انتقال سے پہلے اپنے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی:

''اے یزید! ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا، خلافت کا یہ معاملہ تمہارے سپرد ہوا ہے۔ اور اب تم ان معاملات پر بااختیار ہو جن پر میں تھا۔ اگر تم نے معاملات خلافت خوش اسلوبی سے انجام دیے تو یہ بات میرے لیے فخر وسعادت کا باعث ہوگی۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس سے مجھے دکھ ہوگا۔ لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا۔ ان کی طرف سے تمہارے لیے تکلیف دہ اور تمہاری تنقیص آمیز باتیں سرزد ہوں تو ان سے چشم پوشی اختیار کرنا، اس طرزِ عمل کے نتیجے میں تمہیں چین ملے گا، اور تمہارے حق میں رعایا کی اصلاح ہوگی۔ غیظ وغضب اور جھگڑے کی باتوں سے بچتے رہنا، ورنہ تمہیں اور تمہاری رعایا دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ خبردار نیک اور بزرگ لوگوں کا ہمیشہ خیال رکھنا، ان کے ساتھ توہین اور تکبر سے پیش نہ آنا۔ البتہ اتنی نرمی

بھی نہ برتنا کہ لوگ اسے کمزوری و بے چارگی پر محمول کرنے لگیں، دربار میں انہیں مقرب ہونے دینا۔ انہیں اپنے سے قریب رکھنا، تاکہ وہ تمہارا حق پہچان لیں۔ نہ ان کی توہین کرنا اور نہ ان کے حقوق میں کمی کرنا ورنہ وہ تمہاری توہین وحق تلفی پر آمادہ ہوجائیں گے، اور تمہاری راہ میں رکاوٹ بنیں گے۔

جب کسی کام کا ارادہ کرو تو نیک، متقی لوگوں سے عمر رسیدہ تجربہ کار لوگوں کو بلا کر مشورہ کرنا، اور ان کی طے شدہ رائے سے مخالفت نہ کرنا۔ اپنی ہی رائے پر ضد نہ کرنا، کیوں کہ اکیلے شخص کی رائے کافی نہیں ہوا کرتی۔ جس بات کو تم جانتے ہو اگر اس بارے میں کوئی مشورہ دے تو اس کی تصدیق کرنا۔ لیکن ان معاملات کو اپنی عورتوں اور خادموں سے پوشیدہ رکھنا۔

ہر وقت مستعد رہنا۔ اپنے لشکروں کی حفاظت رکھنا۔ نیز اپنے آپ کی اصلاح کرتے رہنا، اس سے تمہارے حق میں لوگوں کی خود اصلاح ہوتی رہے گی۔ اپنے متعلق لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا ہرگز موقع نہ دینا، کیوں کہ عام لوگ عیب جوئی میں بہت جلد باز ہوتے ہیں۔ نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ اگر تم نے میری ان وصیتوں پر عمل کیا تو لوگ تمہارا حق پہچانیں گے، تمہاری حکومت عظیم تر ہوجائے گی اور لوگوں کی نظروں میں تمہارا وقار بڑھ جائے گا۔

یاد رکھو! اہل مکہ اور اہل مدینہ کے عز و شرف کو آنچ نہ آنے دینا،

کیوں کہ وہی تمہاری اصل اور برادری کے لوگ ہیں۔ اہل شام کی توقیر وعزت کی بھی حفاظت کرنا، کیوں کہ وہ تمہارے فرماں بردار ہیں۔ تمام علاقوں کے باشندوں کی طرف فرامین وتحریرات بھیجتے رہنا، جن میں ان کے ساتھ نیک سلوک کا عہد کیا گیا ہو، اس طرح وہ تم سے پُرامید رہیں گے۔ مختلف بلاد وامصار سے آنے والے وفود کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، کیوں کہ وہ اپنے پیچھے رہے ہوئے لوگوں کے نمائندوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بدگوؤں اور چغلخوروں کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دینا، میری رائے میں وہ بدترین مُشیر ہوتے ہیں۔''

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۲۲۹و۲۳۰)

اس کے بعد آپ نے گھر والوں اور خاندان کے دیگر افراد کو تقویٰ ونیکی پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ نیز تجہیز وتکفین کے بارے میں آپ نے کہا:

"ان یکفن فی ثوب رسول اللہ ﷺ الذی کساہ ایاہ وکان مدخراً عندہ لھذا الیوم وان یجعل ما عندہ من شعرہ وقلامۃ اظفارہ فی فمہ وانفہ وعینیہ واذنیہ"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۴۳)

'' انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ کپڑے میں کفنایا جائے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ تراشے ہوئے بال، اور ناخن ان کے منہ، ناک اور آنکھوں میں رکھ دیے جائیں جو

انہوں نے اسی روز کے لیے محفوظ رکھے تھے۔''

ابن جریر طبری کے الفاظ ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک قمیص پہننے کو دیا تھا، میں نے اسے رکھ چھوڑا ہے اور ایک دن حضرت نے ناخن تراشے تھے میں نے کترن اٹھالی اور ایک شیشہ میں اسے رکھ دیا ہے جب میں مرجاؤں تو وہ قمیص مجھے پہنا دینا اور اس کترن کو ریزہ ریزہ کر کے رگڑ کے میری آنکھوں میں، میرے منہ میں چھڑک دینا۔ امید ہے کہ اس کی برکت سے خدا مجھ پر رحم کرے گا۔''

(تاریخ طبری ج/۵ ص/۱۶۴)

سیدنا معاویہؓ کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق تجہیز وتکفین ہوئی اور آپ کے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اس جلیل القدر صحابی، عرب کے عظیم مدبر و منتظم، خلیفہ راشد سیدنا معاویہؓ کو سرزمینِ دمشق میں سپرد خاک کر دیا گیا، جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے برسوں سے بکھرے ہوئے شیرازے کو اتحاد ومحبت کی دولت سے سرفراز فرما کر بسوئے منزل جادہ پیما کیا تھا۔

الٰہی پھر وہی شوکت ملے دینِ پیمبر کو
الٰہی پھر کوئی ابن ابی سفیانؓ پیدا کر

یوں تو ابتدائے شعور سے ہی حضرت یزیدؒ کو فوجی تربیت، جہادی شرکت اور حج کی امارت وغیرہ شخصی وقومی ضرورت کے پیشِ نظر دمشق سے باہر آنا، جانا رہا ہی کرتا تھا۔ جس کی تفصیلات پچھلے اوراق میں آچکی ہیں۔ لیکن سن ۵۰ ھ کے اواخر

میں آپ اجماعی ولی عہدی کے بعد تو مستقبل کی اہم ترین ذمہ داریوں سے کما حقہ واقفیت اور عملی تجربات وغیرہ کے لیے دارالخلافہ سے باہر، دوسرے علاقوں میں پہلے سے زیادہ جانا ہوتا ہوگا، اس لیے عین ممکن ہے کہ ایسی ہی کسی ضرورت کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کی وفات پر دمشق میں نہ رہے ہوں۔ اور والد کی بیماری یا وفات کی اطلاع ملتے ہی آ گئے ہوں۔ یہ اعتراض یا اچنبھے کی بات بھی نہیں۔ سربراہانِ مملکت اور قومی وملکی انتظام کے حامل افسران کو اس طرح کے حالات سے عموماً سابقہ رہتا ہے۔ اسے ہوشمند دنیا میں کسی بھی زاویے سے عیب شمار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مشہور شیعہ مؤرخ ابومخنف نے مقتل حسین ص/ ۵۰ پر بتایا کہ امیر یزیدؒ اس وقت حمص پر والی مقرر تھے۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عجمی روایات ساز عناصر نے، اس قسم کے روایاتی افسانے اس لیے وضع کیے ہیں تاکہ انہیں آڑ بنا کر ہم عصر صحابہؓ وتابعینؒ کے متفقہ نامزد ولی عہد وخلیفہ، سیدنا یزیدؒ ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام میں اتحاد ومحبت کے پیکر سیدنا معاویہؓ کو بھی سب وشتم اور تبرا کا نشانہ بنایا جا سکے۔ بنابریں ان تبرائی روایات کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ ان کے بالمقابل واقعاتی تسلسل اور ہم عصر امت کی عملی شہادت سے ہم آہنگی رکھنے والی صحیح روایات ہی لائق تسلیم ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی وفات کے موقع پر سیدنا یزیدؒ دمشق میں موجود تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد ماجد کی نماز جنازہ پڑھائی۔

چنانچہ قدیم مؤرخ محمد بن اسحاق اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

صلیٰ علیه ابنه یزید رحمه الله

(البدایہ والنہایہ ج/ ۸ ص/ ۱۴۳)

”یعنی سیدنا معاویہؓ پر ان کے بیٹے امیر یزیدؒ نے نماز

پڑھائی۔''

امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات پر یوں تو تمام مسلمانوں کو رنج تھا، لیکن سیدنا یزیدؒ مشفق والد کی ابدی جدائی سے سرتاپا غم واندوہ میں تھے۔ ان کے اڑان چہرے اور غم میں ڈوبی ہوئی مدھم آواز سے حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔ تدفین سے فراغت پا کر جامع دمشق میں مجمع عام کے سامنے سیدنا یزیدؒ نے خطبہ دیا۔ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین ہونے کی حیثیت سے یہ آپ کا سب سے پہلا خطبہ ہے، اس موقع پر آپ نے کہا:

"الحمد لله الذی ماشاء منع من شاء اعطیٰ ومن شاء منع ومن شاء خفض ومن شاء رفع ان معاویة بن ابی سفیان کان حبلاً من حبال الله مده ماشاء ان یمده ثم قطعه حین شاء ان یقطعه فکان دون من قبله وخیراً ممن یأتی بعده ولا ازکیه وقد مار الیٰ ربه فان یعف عنه فبرحمته وان یعذبه فبذنبه وقد ولیت بعده الامر ولست اعتذر من جهل ولا اسی عن طلب علم، وعلیٰ رسلکم، اذا کره الله شیئاً غیره واذا اراد شیئاً یسره"

(العقد الفرید ج ۲ ص ۳۷۸)

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو چاہے روک لیتا ہے۔ وہ جس کو چاہے ذلیل کرے اور جسے چاہے سربلند کرے۔ جناب

معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسی تھے،
اللہ نے جب تک چاہا اسے دراز کیے رکھا اور جب ارادہ کیا
قطع کردیا۔ آپؓ اپنے پہلوؤں سے کمتر اور آئندہ آنے
والوں سے بہتر تھے، میں اللہ کی جناب میں ان کا تزکیہ نہیں کر
رہا ہوں، وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے، وہ انہیں معاف
کرتے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر گرفت کرے تو
کوتاہیوں کا بدلہ۔ ان کے بعد مجھے معاملات خلافت کا ذمہ دار
بنایا گیا ہے، میں جہل کا عذر نہیں کرتا اور طلب علم سے مایوس
نہیں۔ آپ لوگ سنبھل کر رہیں۔ اللہ جب کسی چیز کو برا محسوس
کرتا ہے تو اسے بدل دیتا ہے، اور جس چیز کو پسند رکھتا ہے اسے
آسان بنا دیتا ہے۔''

علامہ ابن کثیرؒ دمشقی نے بھی معمولی سے لفظی فرق کے ساتھ اس خطبہ کو نقل کیا ہے۔ امیرالمؤمنین سیدنا یزیدؒ کے اس فصیح، بلیغ اور موقع ومحل کی مناسبت سے برجستہ دیے ہوئے ایمان افروز خطبے کا حاضرین پر بے حد اثر ہوا۔ خطاب کے بعد لوگوں نے تحسین وآفرین اور نئے خلیفہ حضرت یزیدؒ کی پسندیدگی وہر دل عزیزی کا اس والہانہ انداز میں اظہار کیا:

"فافترق الناس عنه وهم لا يفضلون عليه احداً"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۴۳)

''لوگ تقریر سن کر ان کے پاس سے گئے تو ان کا یہ حال تھا وہ
سیدنا یزیدؒ پر کسی بھی دوسرے شخص کو ترجیح وفضیلت نہ دیتے

تھے۔''

اسلامی ریاست میں وفاقی دارالخلافت میں نہ صرف دمشق کے باشندوں بلکہ سیدنا معاویہؓ کی تجہیز وتکفین کے سلسلہ میں دوران اورنزدیک سے آئے ہوئے صحابہ وتابعین کا یہ اہم اجتماع اور پھر شرکائے اجلاس کی طرف سے اعتماد کا مظاہرہ دس سال پہلے مدینہ منورہ میں ہونے والے اجماعی فیصلہ کی توثیق تھی۔ تو گویا اس طرح مرکزی دارالحکومت میں وفاقی اصحاب شوریٰ، دوسرے علاقوں کے نمائندے نیز اہل شام کی رائے عامہ نے مرحوم خلیفہ سیدنا معاویہؓ کے بعد ان کے فرزند قائدِ جہاد قسطنطنیہ سیدنا یزیدؒ کی بیعت خلافت پر اپنی پسندیدگی کا اعلان کردیا۔ بایں طور کہ وہ اسلامی خلافت کی سربراہی کے لیے آپ کے مقابلے میں کسی بھی دوسرے شخص کو ترجیح دینے پر تیار نہ تھے۔

بیعت خلافت

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی تحریک اور اسلامی ریاست کے گوشے گوشے سے استصواب رائے نیز سن ۵۰ھ کے اواخر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منعقدہ اجلاس کے متفقہ فیصلے کے مطابق سیدنا یزیدؒ کو سیدنا معاویہؓ کے بعد خلافت کے لیے وہی عہد نامزد کیا گیا۔ لاکھوں میل میں پھیلی ہوئی اسلامی ریاست کے طول وعرض میں اس کو بہ طیب خاطر قبول کرتے ہوئے پوری ''ملت اسلامیہ'' نے امیر یزیدؒ کے لیے ولی عہدی کی بیعت کی۔ اس وقت سے لے کر رجب سن ۶۰ھ سیدنا معاویہؓ کے

انتقال تک آپ ملکی وملی خدمات انجام دیتے رہے۔ ولی عہدی کے بعد ہی آپ نے تین سال متواتر خلیفۃ المسلمین کے نائب کی حیثیت سے امارتِ حج کے فرائض انجام دیے۔ سیدنا معاویہؓ کی وفات تک شام کے مشہور صوبے ''حمص'' پر گورنر کے عہدے سے متعلق قومی خدمات کا اعتراف تو ابومخنف جیسے متعصب رافضی کی زبانی پچھلے اوراق میں بھی نقل ہو چکا ہے۔

غرض یہ کہ دس سالہ ولی عہدی کے بعد ۲۲/رجب ٦٠ھ والد ماجد کے انتقال پر اگرچہ بیعتِ ولی عہدی کے نتیجہ میں آپؒ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے، تاہم اس زمانے کے مروجہ انتظامی دستور کے مطابق نئے سرے سے پوری ریاست میں آپ کی بیعت خلافت ہوئی۔ جس کا آغاز وفاقی دارالخلافہ یعنی شام ک مرکزی شہر دمشق کے اس عام اجتماع سے ہوا، جس میں آپ نے امیر المؤمنین کی حیثیت سے اوپر نقل کردہ پہلا خطاب فرمایا۔ اس کے بعد ہر ہر علاقے میں وہاں کے گورنروں کے ہاتھ پر سیدنا یزیدؒ کے لیے خلافت کی بیعت کی گئی۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''هو يزيد بن معاوية بن ابی سفيان.. امير المؤمنين ابوخالد الاموی .. بويع بالخلافة فی حياة ابيه ان يكون ولی العهد من بعده ثم اكد ذلك بعد موت ابيه.. فاستمر موتليا الیٰ ان توفی فی الرابع عشر من ربيع الاول سنة اربع وستين''

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۲۲٦)

''امیر المؤمنین ابوخالد یزید بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اموی

کے لیے والد کی زندگی میں ولی عہدی کی بیعت ہوئی۔ پھر والد
کے انتقال کے بعد (بیعت خلافت کے ذریعہ) اس کی توثیق
عمل میں آئی۔ سیدنا یزیدؒ اپنی وفات یعنی ۱۴/ربیع الاول
۶۴ھ تک مسلسل خلیفہ رہے۔''

اسلامی ریاست چھوٹے بڑے تمام شہروں کی طرح مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں سیدنا یزیدؒ کی بیعت خلافت کی گئی۔ اکابر صحابہ وتابعین نے خود شریک بیعت ہونے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے حلقۂ اثر لوگوں کو بھی بیعت واطاعت اختیار کرنے کی ترغیب دلا کر خلیفہ یزیدؒ کی صالحیت اور قائدانہ صلاحیت کا قولاً وفعلاً پرچار کیا۔ اس سلسلہ میں مؤرخین نے بطور خاص بیان کیا ہے کہ جب سیدنا معاویہؓ کے انتقال کی خبر مکہ معظّمہ میں حِبر الامت ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو پہنچی تو آپ اس وقت احباب کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھے تھے۔ خبر وفات سنتے ہی آپ نے دسترخوان اٹھوا دیا اور دیر تک مرحوم خلیفہ کے لیے دعا کرتے رہے۔ اور ان کے محاسن وکمالات کا تذکرہ کرتے رہے اور پھر آپ نے فرمایا:

"وان ابنه یزید لمن صالحی اهله فالزموا مجالسکم
واعطوا طاعتکم وبیعتکم... فمضیٰ فبایع"

(الانساب والاشراف للبلاذری ج/۴ ص ۴/ و الامامۃ والسیاسۃ ج/۱ ص ۲۰۲)

'' بلاشبہ سیدنا معاویہؓ کے فرزند امیر یزیدؒ اپنے خاندان کے
نیک لوگوں میں سے ہیں۔ تم اپنی جگہ بیٹھے رہنا، اطاعت کرنا
اور بیعت میں داخل ہونا۔ پھر آپؓ (گورنر مکہ سیدنا خالد بن
عاصؓ) کے پاس تشریف لے گئے اور بیعت فرمائی۔''

"فلما جاءت البیعة من الامصار بایع ابن عمر مع الناس"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸)

''جب دیگر شہروں سے بیعت کی اطلاع موصول ہوئی تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے بھی اہل مدینہ کے ساتھ بیعت کی۔''

علامہ جریر طبری کا بیان ہے کہ:۔

''جب تمام شہروں کی بیعت کا حال ان کو معلوم ہوا تو ولید بن عتبہ کے پاس آ کر انہوں نے بھی بیعت کر لی اور ابن عباس نے بھی۔''

(تاریخ طبری اردو ج ۵ ص ۱۸۱)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے اس عملی موقف سے اس روایت کی واضح طور پر تردید ہو جاتی ہے، جس کے ذریعہ منافقین عجم نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ پوری مسلم قوم کی اجتماعیت کے علی الرغم چار، پانچ اشخاص نے امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کی بیعت کر لینے کے باوجود بیعت خلافت سے علیٰحدگی اختیار کیے رکھی جن میں ان ہر دو افراد کے علاوہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور سیدنا حسین بن علیؓ کے اسمائے گرامی بتائے جاتے ہیں۔ اسی سلسلے میں عجمی ٹکسال کی فراہم کردہ ایک روایت کے بھروسے پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان حضرات کی جانب سے خطرے کے پیشِ نظر سیدنا معاویہؓ نے انتقال سے قبل ہی اپنے جانشین امیر یزیدؒ کو وصیت کرتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کے متعلق الگ الگ ہدایات بھی دے دی تھیں۔ چنانچہ اس روایت کے اولین درآمد کنندہ،

متعصب شیعہ مؤرخ ابومخنف نے سیدنا معاویہؓ کی طرف منسوب وصیت نامے کا متعلقہ حصہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''تمہارے خلاف مجھے صرف چار آدمیوں سے خطرہ ہے۔ وہ تم سے بیعت نہیں کریں گے اور تمہارے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں گے ان میں پہلے تو ہیں عبدالرحمٰن بن ابی بکر، لیکن وہ دنیا دار آدمی ہیں لہٰذا تم انہیں دنیا ہی میں منہمک رکھنا۔ اور وہ جو چاہیں انہیں کر دینا۔ اس طرح وہ نہ تمہارے حق میں رہیں گے اور نہ تمہارے خلاف۔ دوسرے شخص ہیں عبداللہ بن عمرؓ۔ وہ قرآن ومحراب کے رسیا ہیں۔ دنیا سے انہیں تعلق نہیں اور آخرت کی طرف ان کی توجہ ہے مگر میرا گمان نہیں کہ حکومت کے بارے میں وہ تم سے جھگڑا کریں یا اس کے حصول کے طلب گار ہوں۔ تیسرے شخص ہیں عبداللہ بن زبیرؓ۔ وہ تم سے چال تو چلیں گے، لومڑی کی سی، مگر گھٹنے ٹیک کر مقابلے میں آئیں گے شیر کی طرح اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو اور اگر وہ صلح رکھیں تو صلح رکھو بلکہ اگر وہ تمہیں کوئی مشورہ دیں تو قبول کر لینا۔

پھر چوتھے شخص ہیں حسین بن علی۔ لوگ انہیں دعوت دیتے رہیں گے تا آنکہ تمہارے مقابلے پر لا کھڑا کریں۔ اب اگر تم فتح پا لو تو رسول اللہ ﷺ سے ان کی قرابت کا لحاظ رکھنا۔ بیٹا یاد رکھو کہ ان کے باپ تمہارے باپ سے، ان کے نانا

تمہارے نانا سے، ان کی ماں تمہاری ماں سے سے بہتر ہیں۔"

(مقتل حسین اردو ص/۵۱)

یہی وہ روایت ہے جسے ابومخنف جیسے دروغ گو اور کٹر سبائی نے سب سے پہلے گھڑ کر اپنی کتاب کی زینت بنایا اور پھر بعد کے مؤرخین نے بے سوچے سمجھے اسی کے اعتماد پر نقل راچہ عقل کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ ۔

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب کہیں میرا گھر نہ ہو

اگر چہ سیدنا معاویہؓ کے حالات زندگی، حکومت وخلافت کے سلسلے میں ان کے مدبرانہ طرزِ عمل، مسلم اجتماعیت سے متعلق ان کی پرخلوص خدمات اور مستقبل میں اسلامی خلافت کو انتشار اور خانہ جنگی کی ہر ممکن ہلاکت خیزی سے بچانے کے لیے مشفقانہ اور قبولِ عام اقدامات سے آگاہی رکھنے والا شخص معمولی سے غور وفکر کے بعد اس وضعی وفرضی روایت کی رکاکت کا اندازہ لگا کر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اس وصیت نامے اور من گھڑت روایت کے مقابلہ میں صحابئ رسولؐ، کاتب قرآن، عظیم خلیفہ راشد امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے نقوش زندگی سے مطابقت رکھنے والی وہ وصیت درست اور قابل قبول ہے جسے ہم پچھلے اوراق میں وفات سیدنا معاویہؓ کے زیر عنوان درج کر آئے ہیں۔ تاہم ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے متعلق بعض امور کی نشاندہی کر دی جائے تاکہ اس کی وضعیت مزید نکھر کر سامنے آجائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سبائی ڈھول نے ہمارے زمانے کے بڑے بڑے صاحبان فضل کے مقدس چہروں کو خاک آلود اور دلوں کو مسموم کر رکھا ہے۔

اول: اس روایت میں امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کے لیے خلافت کی بیعت

نہ کرنے والوں میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور اس سلسلہ کی بعض دوسری روایات میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو بھی شامل کیا گیا ہے حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان ہر دو افراد نے نہ صرف یہ کہ خود بیعت میں شمولیت اختیار فرمائی اور زندگی بھر اس پر قائم رہے بلکہ اپنے زیرِ اثر لوگوں کو بھی ترغیب و تاکید فرماتے رہے، جیسے کہ پیچھے نقل کردہ تاریخی حوالہ جات میں بہ صراحت بیان ہوا ہے۔ بنابریں یہ روایت قطعی من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔

دوم: اس روایت کی رو سے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بھی سیدنا یزیدؒ کی بیعت خلافت سے کنارہ کش رہے۔ جب کہ یہ ایک ناقابلِ انکار تاریخی مسلمہ ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس وقت دنیا میں موجود ہی نہ تھے، بلکہ وہ ۔۔۔ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی وفات، رجب سن ۶۰ ھ سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اس سلسلہ کے بعض تاریخی ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مشہور مؤرخ علامہ ابن قتیبہؒ ارقام فرماتے ہیں:

"مات فجاءة سنة ثلاث وخمسين بجبل بقرب مكة"

(المعارف ص/۲۶)

''سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا سن ۵۳ ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر اچانک انتقال ہو گیا۔''

امام ابوعبداللہ محمد النیشاپوریؒ لکھتے ہیں:

"مات عبدالرحمٰن بن ابی بکر فجاءة وكنيته ابو عبدالله ومات سنة ثلاث وخمسين"

(مستدرک ج ۳ ص ۴۷۵)

''سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اچانک فوت ہوئے، سن وفات سن ۵۳ھ تھا۔''

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"توفی عبدالرحمٰن بحبشیٰ وھو اثنی عشر میلاً من مکۃ فحمل الیٰ مکۃ فدفن بہا وقال ابن سعد وغیر واحد کان ذٰلک سنۃ ثلاث وخمسین"

(تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۷)

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی وفات حبشیٰ نامی مقام پر ہوئی جو مکہ مکرمہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کی میت کو مکہ لاکر دفن کیا گیا۔ مؤرخ محمد بن سعد اور بہت سے مؤرخین کا بیان ہے کہ ان کا سن انتقال ۵۳ھ ہے۔''

علامہ حافظ ابن کثیرؒ دمشقی لکھتے ہیں:

"ان عبدالرحمٰن توفی سنۃ ثلاث وخمسین قالہ الواقدی وکاتبہ محمد بن سعد وابو عبید وغیر واحد"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۹)

''بلاشبہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ سن ۵۳ھ میں فوت ہوئے، مؤرخ واقدی ان کے کاتب محمد بن سعد اور ابو عبید نیز بہت سے مؤرخین کا یہی بیان ہے۔''

مؤرخین کے مذکورہ بیانات سے یہی معلوم ہوا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سن ۵۳ھ یعنی سیدنا معاویہؓ کی وفات سے تقریباً سات سال پہلے انتقال کر گئے تھے۔

بعض روایات میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات سے متعلق بعض دوسرے سنیوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ باتے متفق علیہ اور طے شدہ ہے کہ وہ امیرالمؤمنین یزیدؒ کی خلافت کے وقت زندہ نہیں تھے بلکہ اس سے کئی برس قبل فوت ہو چکے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ سن ۵۸ھ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات کا قول نقل کرتے ہوئے نتیجہ نکالتے ہیں:۔

"کان توفی قبل موت معاویة بسنتین کما قدمنا"

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۱۵)

''جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا انتقال حضرت معاویہؓ کی وفات سے دو سال پہلے ہو چکا تھا۔''

حاصل یہ کہ سیدنا عبدالرحمانؓ کا سن وفات ۵۲ھ ہو یا ۵۸ھ مان لیا جائے۔ یہ بات بہرحال تسلیم کرنا ہی ہوگی کہ وہ وفات سیدنا معاویہؓ اور خلافت سیدنا یزیدؒ سے برسوں پہلے انتقال کر چکے تھے۔ عجیب بات ہے کہ وصیت نامے والی اس داستان میں موت کے بعد بھی انہیں موجود شمار کیا گیا ہے۔ شاید کن ذہن راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی کوفی کو ''دروغ گو را حافظہ نباشد'' کے مطابق یہ کہانی گھڑتے وقت سیدنا عبدالرحمن کا سن وفات یاد نہ رہا ہو یا پھر عین ممکن ہے کہ اس سبائی بچے نے اس ضمن میں خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکرؓ کے صاحبزادے کا انتخاب کر کے اپنے مذہب کے کسی تقاضے پر عمل کیا ہو۔ اگر آپ رافضی مؤرخ کی اس

روایت کے الفاظ پر غور فرمائیں تو صاف محسوس ہوگا کہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ جیسے مجاہد اور پاکباز صحابی کو دنیا دار عورتوں کا رسیا اور خواہشات کا دیوانہ کہہ کر اس نے عجمی مذہب کا بنیادی فریضہ ''تلاوت تبرا'' ادا کیا ہے۔ مقتل حسین کے نقل کردہ اردو الفاظ کے ساتھ مؤرخ ابن کثیرؒ کے ان الفاظ پر بھی غور فرمائیں جو انہوں نے اسی ابومخنف سے بحوالہ طبری نقل کیے ہیں:

''لیست لہ ھمۃ الا فی النساء واللھو''

(البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/۱۱۵)

ان عربی الفاظ کے ترجمہ کے لیے تاریخ طبری اردو کی مطبوعہ عبارت ملاحظہ ہو:

''اسے عورتوں اور لہو لعب کے سوا کسی بات کا خیال نہیں۔''

(تاریخ طبری اردو ج/۵ ص/۱۶۱)

اس سفید جھوٹ نیز اصحاب رسول پر سب و شتم اور کھلے تبرے پر مشتمل ہوتے ہوئے اس روایت کے فرضی اور من گھڑت ہونے میں کسی قسم کا شک ہی باقی نہیں رہ جاتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد پوری ملت اسلامیہ نے برضاء ورغبت امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کے لیے خلافت کی بیعت کی۔ لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی مسلم ریاست کے اس اجماع کے مقابلہ میں جن پانچ قابلِ احترام بزرگوں کے نام لیے جاتے ہیں ان میں سے صرف دو یعنی سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے سیدنا یزیدؒ کی بیعت خلافت میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ لیکن

کروڑوں افراد پر مشتمل مسلم قوم کے اجماعی فیصلے کے سامنے ان دو محترم شخصیتوں کے انکار وانحراف کی شرعی، اخلاقی اور قانونی حیثیت کیا ہے، کسی بھی زاویہ نگاہ سے ہم عصر امت کے اس عدیم المثال اجماع کا استخفاف ممکن القبول ہو سکتا ہے؟

زیرِ بحث گفتگو کا یہ پہلو اس بات کا متقاضی ہے کہ خود ساختہ عقیدہ وعقیدت کی پیدا کردہ حساسیت اور اشخاص پرستی کے غیر اسلامی جذبے سے قطع نظر کرتے ہوئے پوری دیانت اور حقیقت پسندی سے غور کیا جائے۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں ہم عصر صحابہ وتابعین کے برعکس یکے بعد دیگرے سیدنا حسینؓ اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے اقدام وخروج، اس کے اسباب اور پیدا شدہ عواقب ونتائج تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔

اللھم الھمنا راشد امورنا واعذنا من شرور انفسنا
ومن سیئات اعمالنا

ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی